मरक-ए-मिल्लत

~~आमतौर~~

मुहम्मद इलयास बर्नी

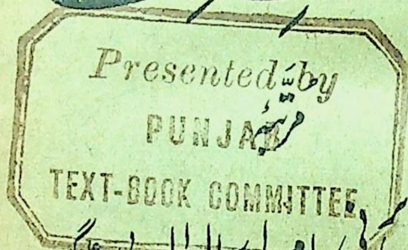


1612

ترتیبِ جدید

سلسلۂ منتخباتِ نظم اُردو

معارفِ ملّت



مرتبہ

محمد الیاس برنی ایم اے ال ال بی (علیگ)

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جلد سوم

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں طبع ہوئی ۱۳۴۲ھ ۱۹۲۴ء

بار سوم]

قیمت عہ

1612



معارفِ ملّت

جلد سوم

اس سلسلہ کے چاروں سٹوں کی بارہ کتابوں کے ملنے کے پتے

(۱) محمد مقتدیٰ خاں شروانی۔ علی گڑھ

(۲) محمد الیاس برنی۔ جام باغ۔ حیدرآباد (دکن)

(۳) شیخ مبارک علی۔ لہاری دروازہ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تشریح ترتیبِ جدید

مروجہ غزلیات کی کثرت سے عموماً یہ خیال پھیل گیا ہے کہ اُردو شاعری کی ساری کائنات محض حسن و عشق اور گل و بلبل کی پُرانی داستان ہے۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوا کہ اُردو میں بھی ہر رنگ کی بہتر سے بہتر نظمیں موجود ہیں۔ البتہ وہ اب تک منتشر اور غیر معروف رہیں۔ چنانچہ موجودہ انتخاب سے اِس کی پورے طور پر تصدیق ہوتی ہے۔ اگر جدید تعلیم یافتہ حضرات اس سلسلۂ انتخاب کو ملاحظہ فرمائیں گے تو ثابت ہوگا کہ انگریزی کی جن نیچرل نظموں پر وہ سر دُھنتے ہیں

ان کی ہم پلّہ نظمیں خود ان کی اُردو زبان میں موجود ہیں۔ شعر و سخن کے چمن کھلے ہوئے ہیں جن کے رنگ و بُو سے دل و دماغ بلکہ رُوح کو تفریح ہوتی ہے۔ اُمید ہے کہ اس انتخاب کو دیکھکر تعلیم یافتہ حضرات کے دل میں ضرور اُردو شاعری کی قدر و محبّت پیدا ہوگی اور ان کی قدردانی و توجہ سے اُردو شاعری کی ترقی کا ایک نیا دَور شروع ہوگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں اس سلسلہ کی ابتدا ہوئی جب کہ معارفِ ملّت مناظرِ قدرت اور جذباتِ فطرت کی پہلی تین جلدیں شائع ہوئیں اور پہلا سٹ کہلائیں ملک نے بہت گرمجوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ اچھے اچھے ادیبوں اور نقادانِ سخن نے انتخاب اور ترتیب کی داد بلکہ مُبارکباد دی۔ ہر طرف سے فرمایشوں کا تار بندھ گیا۔ اور ہاتھوں ہاتھ کتابیں چل نکلیں۔ علاوہ بریں اکثر صوبوں کے مدارس میں کتب خانوں انعامات بلکہ درس کے واسطے بھی یہ کتابیں منظور ہوگئیں۔ اس قدرشناسی اور ہمّت افزائی نے قدرتاً نئے سٹوں کی تالیف و طبع کی رفتار تیز کردی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۲۰ء میں دوسرا سٹ شائع ہوا اور سنہ ۱۹۲۱ء میں تیسرے سٹ کے ساتھ ساتھ پہلے دو سٹوں کے دوسرے اڈیشن بھی نکل آے۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں یہ تینوں سٹ چلتے رہے۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں چوتھا سٹ بھی نکل آیا۔ اس طرح پانچ سال کے اندر اندر

سلسلہ کی بارہ جلدیں شائع ہو گئیں جن میں کم و بیش دو سو قدیم و جدید شاعروں کے کلام کا انتخاب شامل تھا۔

الحمد للہ ان کتابوں نے اُمید اور توقع سے بڑھکر شہرت و مقبولیت حاصل کی قدیم و جدید تعلیم یافتہ سب ان کا دم بھرنے لگے۔ بڑے چھوٹے یکساں دل سے قدر کرنے لگے۔ سفر حضر میں ان کو پیش نظر رکھنے لگے۔ پڑھی لکھی بہو بیٹیوں نے تو ان کو اپنا وظیفہ بنا لیا۔ خلوت و جلوت کے لئے اچھا مشغلہ پا لیا۔ آپس کے تحفے تحائف میں بھی یہ کتابیں چلنے لگیں اور گھر گھر دلچسپی اور خوش وقتی کا سامان بن گئیں۔ غرض کہ صدہا اردو پرست گھروں نے اس سلسلہ کے معتقد بلکہ مرید ہو گئے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اردو میں ایسے انتخاب کی عام و خاص کو کس درجہ ضرورت تھی۔

اس سلسلہ کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی نظیر دوسری زبانوں میں بھی کم نظر آتی ہے ترتیب اور تقابل ہے یعنی ایک ایک مضمون کے متعلق متعدد نظموں کو اس طرح یکجا ترتیب دینا کہ ان کا باہم مقابلہ ہو سکے اور تقابل سے ہر ایک کے خصوصیات نمایاں ہوں اور ان کے ادبی مدارج کا پتہ چلے کہ کس اعتبار سے کون سی نظم کس نظم پر فائق ہے۔ یہ طریق تقابل جس کو انگریزی میں کمپیریٹیو اسٹڈی

کہتے ہیں ادب کی تعلیم میں بہترین اور انتہائی ذہنی تربیت شمار ہوتا ہی۔ مزید براں اِس قسم کی ترتیب سے اُردو شاعری کی وسعت اور رفعت کا اندازہ ہو سکتا ہی کہ کِن کِن مضامین کی فضاؤں میں اُردو شاعر کس حد تک بلند پروازی دکھا چکے ہیں چنانچہ اس سلسلہ کو دیکھکر بہت سے منکر اور غافل اُردو شاعری کے قائل بلکہ معتقد ہو رہی ہیں۔ حالاں کہ ابھی بہت کچھ بیش قدر کلام نظروں سے پوشیدہ ہی۔

ترتیب کے علاوہ دوسری خصوصیت جس کی تفصیل تمہید میں مذکور ہی یہ کہ انتخاب میں صرف نظمیں نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بڑی ترکیبوں کے ساتھ مشہور نظموں میں سے ایسی نظمیں نکالی گئی ہیں جو بجائے خود مستقل اور مکمل معلوم ہوتی ہیں حالاں کہ اصلی نظموں میں ان کا شبہ گزرنا بھی مشکل تھا۔ اس سے بڑھکر جدت یہ کہ ایک ہی شاعر کے متفرق اشعار یکجا ترتیب دے دے کر ان سے نہایت نادر اور لطیف مضامین پیدا کیے گئے ہیں۔ جو مستقل نظموں میں نایاب ہیں۔ میر تقی میرؔ۔ مرزا غالبؔ اور اکبرؔ الہ آبادی ان حضرات کے کلام میں خاص کر اس طریق کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہی۔ چنانچہ اس طرز کی متعدد نظمیں سلسلہ میں شریک ہیں جو اپنے طرز میں بالکل عجیب اور انوکھی معلوم ہوتی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہی کہ بیخودی میں شاعر کے مُنہ سے حقایق کے پھُول جھڑتے رہتے

ہیں۔ کوئی چاہے تو ان کو جمع کرکے بہترین خوشنما اور خوشبودار گلدستے بنالے۔ نظمیں ان ترکیبوں سے حاصل ہو بھی گئیں تو اکثر کے عنوان ندارد۔ پھر ان پر ایسے موزوں اور جامع عنوانات لگائے گئے کہ معانی کے دریا کوزوں میں بند نظر آنے لگے۔ غرض کہ طرح طرح سے کوشش کی تب کہیں ایک حد تک اردو شاعری کی چمن بندی ہو سکی۔ ورنہ اس خطہ کے سرسری رہروؤں کو اکثر ایک خودرو جنگل کا دھوکا ہوتا تھا جس میں ان کو رنگ و بو کے پھول بھی کم نظر آتے تھے۔

کُل مواد پہلے سے تو موجود نہ تھا۔ بتدریج فراہم ہو ہو کر ترتیب پاتا گیا۔ شائع ہوتا گیا۔ اس طرح چارسٹ مُرتّب کرکے بارہ جلدیں شائع ہوئیں۔ گرچہ سلسلہ کی ترتیب اور تہذیب میں پوری کوشش کی گئی پھر بھی اصلاح و ترقی کی کافی گنجائش باقی رہ گئی۔ مضامین کی مجانست ترتیب کی رُوح رواں ہے۔ وافر مواد مُہیا ہو جانے کی بدولت جدید ترتیب میں سابق کے مقابل مجانست مضامین کہیں زیادہ چُست اور وسیع ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ ہر جلد میں ایک مستقل اور جداگانہ کیفیت نظر آتی ہے۔ شائع شدہ نظموں کے علاوہ بہت سی اور نظمیں بھی شامل ہو گئی ہیں گویا جدید ترتیب اور مزید مضامین کے ساتھ یہ بارہ جلدیں

از سرِ نو شائع کی جاتی ہیں اور آیندہ یہ ان کی مستقل شکل ہوگی تفصیل ملاحظہ ہو

پہلا سٹ

معارفِ ملّت

جلد اوّل۔ متعلق دینیات یعنی حمد، نعت، مناجات اور معرفت کی نظمیں، جن میں دین وایمان کی خوشبو مہکتی ہے۔ صاحب دلوں اور عاشقانِ رسول کے واسطے بڑی نعمت ہے۔

جلد دوم۔ متعلق اسلامیات یعنی اسلام اور مسلمانوں کے ماضی، حال اور مستقبل کی تفسیریں اور تصویریں، جو قلب کو گرماتی اور روح کو تڑپاتی ہیں۔ خاص کر واقعہ کربلا کے اٹھ جگر دوز نشتر لذت تنہا تازہ کر دیتے ہیں۔ اسلامی مدارس کے واسطے بیش بہا تحفہ ہے۔

جلد سوم۔ متعلق قومیات یعنی ہندوستان کی متحدہ قومیت کے متعلق دردمند اور وطن پرست شاعروں کا دل پذیر کلام جو عبرت سکھاتا اور غیرت دلاتا ہے۔ اس جلد میں چند قدیم شہر آشوب بھی قابل دید ہیں قومی مدارس کے واسطے بہت موزوں ہے۔

جلد چہارم - متعلق اخلاقیات یعنی اردو شاعری میں اخلاق وحکمت کے جو انمول موتی جواہر بکھرے پڑے تھے اور جو بہترین قومی سرمایہ ہیں فراہم کر دیئے گئے ہیں - یہ جلد لڑکوں اور نوجوانوں کے واسطے قابل قدر تحفہ ہے - تمام مدارس کے واسطے یکساں مفید ہے -

دوسرا سٹ

جذباتِ فطرت

جلد اوّل - اردو شاعری کے قافلہ سالار یعنی میرؔ اور مرزا رفیع سوداؔ کے کلام کا مربوط اور جامع انتخاب خاص کر میرؔ کے متفرق اشعار کو ترتیب دے کر جو نازک مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ بہت نایاب ہیں - یہ کتاب بھی کالج کی اعلیٰ جماعتوں میں درس کے قابل ہے -

جلد دوم - اردو کے سرمایۂ ناز شاعر مرزا غالبؔ اور اُن کے خاص ہم عصر یا خاص ہم رنگ شعرا ذوقؔ، ظفرؔ اور حسرت موہانی کے کلام کا انتخاب غزلیات کے علاوہ مرزا غالبؔ کے متفرق اشعار کی ترتیب سے جو گوناگوں لطیف مضامین پیدا کئے گئے ہیں وہ قابل دید ہیں -

یہ کتاب بھی اعلیٰ جماعتوں کے درس کے قابل ہے۔

جلد سوم۔ تقریباً بائیس قدیم، مستند اور باکمال شعرا کے کلام کا اعلیٰ انتخاب جو اپنی قدامت اور جامعیت کے لحاظ سے قابل دید ہے۔

جلد چہارم۔ تقریباً ساٹھ جدید مشہور و مقبول شعراء کے کلام کا دلکش انتخاب۔ شاعری کے جدید دُور کا اِس سے خوب اندازہ ہو سکتا ہے۔

تیسرا سٹ

مناظرِ قدرت

جلد اوّل۔ متعلق اوقات یعنی صبح، شام، دن، رات، دھوپ، چاندنی، موسم گرما، سرما، برسات اور بہار کے دلکش مناظر نظموں میں اِس خوبی سے عکس فگن ہیں کہ اُن کو دیکھکر طبیعت وجد کرنے لگتی ہے۔ نیچر پرستوں کے لئے یہ جلد قدرت کی دلفریبیوں کا بہترین مرقع ہے۔

جلد دوم۔ متعلق مقامات یعنی آسمان، زمین، پہاڑ، جنگل، میدان، دریا، کھیت، باغات، شہر اور عمارات۔ شاعروں نے اِن سب کی ایسی صاف ستھری تصویریں کھینچی ہیں کہ نظمیں پڑھتے وقت گویا ہم آنکھوں سے

اُن کی سیر کر رہی ہیں۔

جلد سوم۔ متعلق نباتات وحیوانات۔ یعنی پھُول پھل، کیڑے، پتنگے، تتلیاں، چڑیاں، پرندے، چرندے، چوپائے اور متفرق جانور وغیرہ۔ ان سب کے حالات پڑھنے سے اندازہ ہو سکے گا کہ اُردو شاعروں نے اشیاءِ قدرت کا کس حد تک مطالعہ کیا ہی اور مشاہدات میں کہاں تک جان ڈالی ہی۔

جلد چہارم۔ متعلق عمرانیات۔ یعنی ہندوستان کے تمدّن، رسم و رواج، عید تیوہار، غمی شادی، میلے ٹھیلے، صحبتیں جلسے، کھیل تماشے، وضع لباس صُورت شکل، ہنسی مذاق، بزم اور رزم۔ سب طرح کے حالات پیشِ نظر ہو کر دل کو بے چین کر دیتے ہیں۔ مناظرِ قدرت کی چاروں جلدیں زنانہ مدارس کے واسطے خاص کر بہت موزوں ہیں۔

سلسلے کی یہ بارہ جلدیں تو مستقل ہو گئیں۔ اگر آیندہ موقع ملا اور مواد فراہم ہوتا رہا تو انشاءاللہ وقتاً فوقتاً ایک ایک جلد اس سلسلہ کے تتمہ کے طور پر شائع ہوتی رہیگی۔ اور ہر جلد میں معارفِ ملّت، مناظرِ قدرت اور جذباتِ فطرت۔ تینوں حصّوں کے کچھ کچھ مضامین شامل رہیں گے۔ ہر حصہ کی جُدا گانہ جلد مرتب ہونے کا

انتظار نہیں کیا جائے گا۔ اگر یہ سلسلہ اس طرح جاری رہ سکا تو اُمید ہو کہ اُردو کا بیشتر قابل قدر کلام یکجا محفوظ ہو جائے گا۔ اور شائقین کو بلا دقت دستیاب ہو سکے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

علاوہ بریں ایک فارسی انتخاب کے واسطے بھی عرصہ سے بعض محترم بزرگوں اور مخلص احباب کی فرمایش جاری ہی بلکہ اصرار تک نوبت پہنچ گئی ہی۔ مہلت اور موقع شرط ہی۔ ممکن ہی کہ ایک خاص طرز کا فارسی انتخاب بھی کبھی شائع ہو کر شرف مقبولیت حاصل کرے۔ وَمَا تَوفِیقی اِلَّا بِاللہ ؕ

جامع عثمانیہ حیدرآباد دکن
دسمبر ۱۹۲۴ء

محمد الیاس برنی

تمہید

اُردو شاعری کی بھی عجب اُفتاد پڑی جب کہ ہندوستان میں اسلامی حکومتوں پر تباہی کی کالی گھٹائیں چھا رہی تھیں اور گھڑی گھڑی اِدبار کی بجلیاں گرتی تھیں، بزم سخن کی رونق اور چہل پہل قابل دید تھی۔ خود فرماں روائے وقت دُنیا و مافیہا سے بے خبر شاعری کی دُھن میں مست تھے شاعروں کی دیکھا دیکھی حشرات الارض کی طرح بے شمار نظم نگار نکل پڑے آٹھوں پہر مشاعرے گرم رہنے لگے اور مداحوں کی واہ وا نے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ رنگ رلیوں کا زمانہ تھا۔ کلام بھی قدرتاً اسی رنگ میں

رنگ گیا۔ چنانچہ اس میں حُسن پرستی کا وہ ہیجان آیا اور عشق و عاشقی کا وہ طومار بندھا کہ خُدا کی پناہ۔ اس زہریلے مذاق سے قوم پر کس درجہ مُردنی چھائی، اخلاق و عادات کی کیا گت بنی، جاہ و ثروت کس طرح خاک میں ملے، یہ عبرت ناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی ہے۔ پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرایش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حُسن چھپا رہا۔ مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اُس آگ کے شعلے دبا دیے۔ اگر کہیں اس رنگ میں جرأت، انشا، مرزا شوق اور میاں نظیر کے طرز پر شاعری نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی۔ فحش اور مبتذل کلام سے تو بحث نہیں۔ اِن واسوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جُھلس ڈالے۔ البتہ اس رنگ کے متین اور مُہذّب کلام کو لیجئے۔ اِس میں ہزار لفظی اور معنوی خوبیاں سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہے کمیاب ہے۔

اگرچہ بہت سا کلام گردشِ ایّام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جا بجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں

جن کے پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور سرمایۂ مباہات ہیں جن کے بیان کی صفائی و حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی شگفتگی و بے ساختگی سے شاعری کی سحر کاریاں جلوہ گر ہیں ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور رُوح کو تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہے، ہنستوں کو رُلاتا اور روتوں کو ہنساتا ہے۔ شاعری نے اس میں بلا کا اثر بھر دیا ہے کسی عارضی اور مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اس کی مقبولیت کی ضامن ہے اور نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہے۔

اشاعت ادب ترقی زبان اور اصلاح تمدّن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مُرتّب کر کے ناظرین کے روبرو پیش کیا جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق بہت رائج اور مقبول ہے۔ آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شائع ہوتے رہتے ہیں اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے ذوق سلیم پیدا ہوتا ہے اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہے۔

کچھ انتخابات آج کل نصاب تعلیم میں داخل ہیں۔ بعض شاعروں کا منتخب کلام بھی شائع ہو رہا ہے۔ لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات کا انتظار رہا جو ادبی مرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری کے موجودہ رجحانات اور مقامات پیش نظر ہو جائیں تاکہ جو ادیب اور شاعر اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں۔ انتخابات سے پتا چلا کہ ہماری شاعری کے بہت سے شعبے توجہ طلب ہیں۔ مثلاً اب تک وہ دین و ملت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ رہی۔ حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے ملتی ہیں اور قومی نظمیں تو بوجہ ندرت ابھی تک تبرک بنی ہوئی ہیں۔ اسی طرح جذبات کو لیجیے۔ اوّل تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حزن پسند ہے دوسرے اردو شاعری نے قومی تنزل اور تباہی کے دور میں ہوش سنبھالا قدرتاً کلام بارد اور یاس انگیز ہے۔ دنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش، افتادگی و خود فراموشی، سکون و خاموشی۔ جب راگ کا یہ سرگم ہو تو پھر نا ممکن ہے کہ اسے سن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو

شاعری کی یہ برودت ہماری جیسی مضمحل اور تساہل پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہی. کہیں خدانخواستہ جد و جہد کے رہی سہے ولولے اور ترقی کی اُمنگیں پھر سرد نہ پڑجائیں۔ اِس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہی جس سے دلوں کی افسردگی نکلے اولوالعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرمجوشی پھیلے۔ اس طرح گرم سرد اجزا کی آمیزش سے خود بخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا۔ قدرت کو لیجئے اُس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہی لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اَب جا کر نقاشی شروع کی ہی اور ابھی وہ زمانہ دُور ہی جب کہ نیچر کی تصاویر مُنہ سے بولنے لگیں. حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی ضرورت و گنجایش ہی اور بحالتِ موجودہ غالباً انگریزی شاعری اُس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہی۔

اسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخبات نظم اردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں. مجانست مضامین کے لحاظ سے اِس کے تین جُداگانہ حصّے قرار پائے ہیں۔

(۱) معارفِ ملت۔ حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ۔

(۲) جذباتِ فطرت۔ سب دلوں کی کہانی چند شاعروں کی زبانی بقول غالبؔ

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت۔ اوقات، مقامات، مخلوقات، واقعات کی دلکش تصاویر کا مُرقع۔ ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلّہ ہونا نہ تو ممکن ہے اور نہ مطلوب۔ چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نومشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں درج ہیں۔ لیکن شاعری کے رنگ و بُو سے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لئے خاص طور پر قابل قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف سُتھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں۔ سچ پُوچھئے تو یہ بھی بڑا کام ہے۔ خُدا جانے انھیں کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سحر نگار قلم کیسی کیسی انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں۔ علاوہ بریں ارتقاءِ شاعری کی تحقیق میں بھی یہ نظمیں ناگزیر ہوں گی۔ پھر کسی جامع انتخاب میں کیوں کر نظر انداز ہو سکتی ہیں۔ اگر کچھ

نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر بار ہوں تو اُمید ہی کہ وہ معذرت قبول فرمائیں گے باایں ہمہ ان کی ضیافتِ طبع کے لئے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہی۔ اگر انار کے کچھ دانے کچّے ہوں تو اس سے باقی انار کی شیرینی ولطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب اور ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہی۔ اصل مضمون پیش نظر رکھکر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا، مفید مطلب مقامات چھانٹنا حسبِ صلاحیت ان کو از سرِ نو ملانا یا جُدا گانہ نظموں کی شکل میں لانا پھر نظموں کے موزوں عنوانات قرار دے کر ان کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو، یہ سب اہتمام کیا تب کہیں اس سلسلۂ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آیندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب ہوگا، ہر حصّہ کی متعدّد جلدیں بتدریج شائع کی جائیں گی جو ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہوں گی۔ اُمید ہی کہ اس طرح پر اُردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتب ہوجائے گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ رُوح کو تفریح وجلا ہوتی

ہی ان کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالےٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

جن حضرات نے مہربانی فرما کر نظموں کی فراہمی میں مدد دی اور اس کی طباعت وغیرہ کا حسب دلخواہ اہتمام کیا مؤلف ان کا بھی بدل ممنون احسان ہی ملک کو اردو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچے گا اُس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کر دے گا۔ اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ ؕ

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)
جولائی ۱۹۲۳ء

محمد الیاس برنی

معارفِ ملّت

جلد سوم

فہرست مضامین

[ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہی اور اُس کے تحت میں مضامین متجانسہ درج ہیں]

فہرست جلد ۲

فہرست جلد ۳

فہرست جلد ۳

فہرست جلد ۳

صفحہ

فہرست جلد ۳

معارف ملت

جلد سوم

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۱	اک بنا ہے	اک بنائیں
۵	۱۳	نغمہ داں	نغمہ خواں
۷	۷	کوئی سنادے منتر	نغمہ کوئی سنادے
۸	۶	کتاب ہدی	کتاب ہدی
۱۲	۱۱	شدریر (حدیث ۱۲)	شدریر
۲۱	۹	ان کی قوت	ان کو قوت
۲	۶	دست بازو	دست و بازو
۳	۵	مقصود	مقصود نہیں
۳۲	۳	شاہیر	مشاہیر
۴۹	۳	راہ گذر	رہ گزر
۵۸	۴	کہ جو ہو	جو کہ ہو
۶۱	۱	دیئے ہی	دیئے ہیں
۶۱	۶	صاف وبے ضرر	صاف و بے ضرر
۶۲	۱	مشرق ہیں	مشرق بھی
۶۳	۸	اور	زور
۶۳	۹	اک فیمیشن	اک ڈفیمیشن
۶۳	۹	بڑھینگے	پڑھینگے
۶۴	۱	عبث	بحث
۶۴	۵	ہے عشق	ہیں عشق
۶۶	۹	دکھا کر تقریر	دکھا تقریر
۷۴	۳	اور سنئے	اور نئے
۷۴	۷	خم ہونگے	ضم ہونگے
۸۲	۷	زندانیوں کو تونے	نازندانیوں کو
۸۲	۸	درد افگنی	مرد افگنی
۸۳	۹	اس سے مضر	اس سے مفر
۸۶	۱	ہال روم	بال روم
۸۹	۷	ان کے تاش	ان سے تاش
۸۹	۱۱	ان کی باتیں	اس کی باتیں
۹۰	۲	کردۂ	کردئی
۹۲	۹	چڑ گئی ہر	چر گئی ہر
۹۲	۱۰	آنکھ پیچ	آنکھ پیچ
۹۴	۴	یہ کہ خرابی	یہ تو خرابی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹۶	۱۰	دکے بہلانے کو	دل کے بہلانے کو
۹۸	۱۴	رکھنے لگا	رُکنے لگا
۱۰۱	۲	چل کے	جل کے
۱۰۲	۸	گھر پھر میں	گھر بھر میں
۱۰۷	۸	سنبھل بیٹھو کے	سنبھل بیٹھو گے
۱۰۹	۱۲	محمد میرزا ہے	محمد میرزا تھے
۱۱۴	۱	آوار کہلاتا تھا	آوارہ کہلاتا تھا
۱۲۳	۶	یہ خار ہے	یہ ہار ہے
۱۲۶	۱۲	قفل و دانش	فضل و دانش
۱۳۰	۴	کرے گا	کرے گا
۱۳۱	۱۴	اس حملوں سے	اس کے حملوں سے
۱۳۹	۱۰	ٹنا اسی	پیٹنا اس
۱۴۰	۱۰	بے جا	لے جا
۱۴۰	۱۴	اودہر جو	اودھر سے
۱۴۰	۱۵	پیسے ہی	پیسے ہیں
۱۴۲	۳	دیوال	دیوالی
۱۴۶	۱	لب	سب
۱۴۶	۶	پیسے والے	بخشنے والے
۱۴۶	۶	فقیر	حقیر
۱۴۶	۸	ٹکڑا	مکڑا
۱۴۷	۲	شہدوں	عہدوں
۱۴۷	۵	فریندہ	فریبندہ
۱۴۷	۱۲	دیکھتے ہیں	دیکھتے ہی
۱۵۱	۴	ڈرتے ہیں	دوڑتے ہیں
۱۵۱	۱۵	کانٹے کو	کانٹے کا
۱۵۴	۱	صدا	سدا
۱۵۶	۱۰	دن کو کہتا دن	دن کو دن کہتا
۱۶۰	۳	بار تھا	بار نہ تھا
۱۶۱	۱۱	آئے تھے	آتے تھے
۱۷۱	۴	ایسی تعلیم ہو	ایسی تعلیم سے
۱۷۵	۹	مجھکر	مجھکو
۱۷۸	۵	مصرف کار	مصروف کار
۱۷۸	۸	عار ہے	عار تھی
۱۸۵	۵	فقہ مختصر	قصہ مختصر
۱۸۶	۹	سایہ گہن کا	سایہ ہی گہن کا
۱۸۹	۱۰	غم و آرام	غم و آلام
۲۰۰	۴	وقت	وقف
۲۰۰	۶	جو شمس	جون شمس

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مَعَارِفِ مِلَّت

(جلد سوم)

۱۔ میرا وطن

چشتی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سُنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا راگ گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا
سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

جلد ۳

پھر تاب دیکھے جس نے چمکائے کہکشاں سے ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے
وحدت کی نے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے میر عرب (صلعم) کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے پربت جہاں کے سینا نوح نبی کا ٹھیرا آ کر جہاں سفینا
رفعت ہے جس زمیں کی بام فلک کا زینا جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

گوتم کا جو وطن ہے جاپان کا حرم ہے عیسی کے عاشقوں کا چھوٹا یروشلم ہے
مدفون جس زمیں میں اسلام کا حشم ہے ہر پھول جس چمن کا فردوس ہے ارم ہے

میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

اقبال

۲۔ ترانۂ ہند

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا
پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزار ندیاں گلشن ہے جس کے دم سے رشک جناں ہمارا

اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہیں یاد تجھکو — اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا — ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا
یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے — اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا
کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری — صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

اقبال

۳ - نیا شوالہ

سچ کہدوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے — تیرے صنم کدے کے بت ہوگئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا — جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا — واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
کچھ فکر پھوٹ کی کر مالی ہے تو چمن کا — بوٹوں کو پھونک ڈالا اس بِس بھری ہوا نے

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھکو ہر ذرّہ دیوتا ہے

جلد ۳

آ ملکے غیریت کے پردوں کو پھر اُٹھا دیں ۔ بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ دوئی مٹا دیں
سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے جی کی بستی ۔ آ اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ ۔ دامانِ آسماں سے اس کا کلس ملا دیں
پھر اک انوپ ایسی سونے کی مورتی ہو ۔ اس ہردوار دل میں لا کر جسے بٹھا دیں

سندر ہو اسکی صورت چھب اس کی موہنی ہو
اس دیوتا سے مانگیں جو دل کی ہوں مرادیں

زنار ہو گلے میں تسبیح ہاتھ میں ہو ۔ یعنی صنم کدے میں شانِ حرم دکھا دیں
پہلو کو چیر ڈالیں درشن ہو عام اس کا ۔ ہر آتما کو گویا اک آگ سی لگا دیں
آنکھوں کی ہے جو گنگا لے لیکے اس سے پانی ۔ اس دیوتا کے آگے اک نہر سی بہا دیں

ہندوستان لکھدیں ماتھے پہ اس صنم کے
بھولے ہوئے ترانے دنیا کو پھر سُنا دیں

ہر صبح اُٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے ۔ سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
مندر میں ہو بلانا جس دم پجاریوں کو ۔ آوازۂ اذاں میں ناقوس کو چھپا دیں
اگنی ہے وہ جو نرگن کہتے ہیں پیت جس کو ۔ دھرموں کے یہ بکھیڑے اس آگ سی جلا دیں

ہے ریت عاشقوں کی تن من نثار کرنا
رونا ستم اُٹھانا اور اُن کو پیار کرنا

جلد۳

۴۔ گلزارِ وطن

پھولوں کا کنج دلکش بھارت میں اک بنا ہو — حُبِّ وطن کے پودے اس میں نئے لگائیں

پھولوں میں جس چمن کے ہو بوئے جاں نثاری — حُبِّ وطن کی قلمیں ہم اس چمن سے لائیں

خونِ جگر سے سینچیں ہر نخلِ آرزو کو — اشکوں سے بیل بوٹوں کی آبرو بڑھائیں

ایک ایک گل میں پھونکیں روحِ شمیمِ وحدت — اک اک کلی کو دل کے دامن سے دیں ہوائیں

فردوس کا نمونہ اپنا ہو کنجِ دلکش — سارے جہاں کی جس میں ہوں جلوہ گر فضائیں

چھایا ہو ابرِ رحمت کاشانۂ چمن میں — رم جھم برس رہی ہوں چاروں طرف گھٹائیں

مرغانِ باغ بنکر اُڑتے پھریں ہمیشہ — نغمے ہوں روح افزا اور دلربا صدائیں

حبِ وطن کے لب پر ہوں جانفزا ترانے — شاخوں پہ گیت گائیں پھولوں پہ چہچہائیں

چھائی ہوئی گھٹا ہو موسم طرب فزا ہو
جھونکے چلیں ہوا کے اشجار لہلہائیں

اس کنجِ دلنشیں میں قبضہ نہو خزاں کا — جو ہو گلوں کا تختہ، تختہ ہو اک جناں کا

بلبل کو ہو چمن میں صیاد کا نہ کھٹکا — خوش خوش ہو شاخِ گل پر غم ہو نہ آشیاں کا

حبِ وطن کا مل کر سب ایک راگ گائیں — لہجہ جدا ہو گرچہ مرغانِ نغمہ خواں کا

ایک ایک لفظ میں ہو تاثیر بوئے الفت | انداز دل نشیں ہو ایک ایک داستاں کا
مرغانِ باغ کا ہو اس شاخ پر نشیمن | پہنچے نہ ہاتھ جس تک صیادِ آسماں کا
موسم ہو جوشِ گل کا اور دن بہار کا ہوں | عالم عجیب دلکش ہو اپنے گلستاں کا

مِل مِل کے ہم ترانے حبِ وطن کے گائیں
بلبل ہیں جس چمن کے گیت اس چمن کے گائیں

سرور

پیام و سلام اقبال کے نام

آنا ترا مبارک یورپ سے آنے والے | احباب منتظر کو جلوہ دکھانے والے
آنا ترا مبارک اعزاز پانے والے | ہندوستاں کی عظمت عزت بڑھانے والے
آنا ترا مبارک با صد ہزار شوکت | ملکِ سخن میں اپنا سکہ بٹھانے والے
آنا ترا مبارک او بلبلِ خوش الحاں | نظمیں سُنانیوالے تانیں اُڑانے والے
آنا ترا مبارک او فخرِ بزم قومی | ہنسنے ہنسانیوالے رونے رُلانے والے

منظور کیجیے گا پہلے سلام میرا
خدمت میں آگیا ہے پھر یہ پیام میرا

اقبال رنگِ ملت محفل میں کچھ جما دے | لایا فرنگ سے ہے جو مے وہی پلا دے
پھر ہو رہی ہے اَن بن کچھ شیخ و برہمن میں | انکو گلے ملا کے روٹھے ہوئے منا دے حاشیہ ۳
مشہور کشوروں میں ہے سوز و ساز تیرا | اہلِ وطن کو اپنے اس راز کا پتا دے
سوتوں کو ہے جگانا مردوں کو ہے جلانا | ہوگا یہ کام تجھ سے ہمت تجھے خدا دے
سوزِ سخن بھی گر ہے دنیا میں چیز کوئی | اُس کا اثر دکھا دے اک آگ سی لگا دے
منزل کٹھن ہے اپنی اور پر خطر ہیں راہیں | پھر سینکڑوں دوراہے اک راہ پر چلا دے
سحرِ سخن سے اپنے تسخیر کر دلوں کو | کوئی سنا دے منتر جادو کوئی چلا دے
قسمت سے ہے دلوں پر حاصل تجھے حکومت | جس کو ترس رہے ہیں دنیا کے شاہزادے
بھارت ہماری ماں ہے لازم ہے اسکی سیوا | کیا چاہیے ہمیں گر خوش ہو کے یہ دعا دے

دی ہے زباں بھی تجھکو دل بھی دیا خدا نے
حبِ وطن کے دلکش پھر چھیڑ دے ترانے

اک بار پھر سنا دے ہندوستاں ہمارا | اپنی زباں میں کہہ دے رازِ نہاں ہمارا
پھر زمزموں سے اپنے آباد اس کو کر دے | تیرے بغیر سونا ہے گلستاں ہمارا
کیا حال ہے وہاں کا آیا ہے تو جہاں سے | کچھ تذکرہ سنا بھی تونے وہاں ہمارا
ہم چل پڑے ہیں لیکن منزل ابھی ہے کوسوں | اور سخت مشکلوں میں ہے کارواں ہمارا

جلد ۳

اپنوں کی سر دھری نے دل جلا دیا ہی — پہنچے گا آسماں تک دودِ فغاں ہمارا

اقبال دیکھ اتنا کوئی نہیں سمجھتا — مٹنے کو ہے جہاں سے نام و نشاں ہمارا

آپس کی دشمنی کے یہ دن نہیں ہیں ہرگز — پہلے ہی جبکہ دشمن ہے آسماں ہمارا

یہ وقت ہی کہ کہدیں سب ہوکے اک زباں ہم

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

محروم

۶- حُبِّ قوم

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا — کہ ہی ساری مخلوق کنبہ خدا کا

حدیث

وہی دوست ہی خالقِ دوسرا کا — خلائق سے ہی جس کو رشتہ ولا کا

یہی ہی عبادت یہی دین و ایماں

کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

عمل جن کا ہی اس کلامِ متیں پر — وہ سر سبز ہیں آج روئے زمیں پر

تفوق ہی ان کو کہین و مہیں پر — مدار آدمیت کا ہی اب انھیں پر

شریعت کے جو ہم نے پیمان توڑے

وہ لیجا کے سب اہلِ مغرب نے جوڑے

وہ ملک اور ملت پہ یہ نبی فدا ہیں
سب آپس میں یک اک کے حاجت روا ہیں
اولوالعلم ہیں ان میں یا اغنیا ہیں
طلب گار بہبودِ خلقِ خدا ہیں
یہ تمغا تھا گویا کہ حصہ انھیں کا
کہ حُبّ الوطن ہو نشاں مومنیں کا

امیروں کی دولت غریبوں کی ہمت
ادیبوں کی انشا حکیموں کی حکمت
فقیہوں کے خطبے شجاعوں کی جرأت
سپاہی کی ہتیار شاہوں کی طاقت
دلوں کی اُمیدیں اُمنگوں کی خوشیاں
سب اہل وطن اور وطن پر ہیں قرباں

عروج ان کا تم جو عیاں دیکھتے ہو
جہاں میں انہیں کامراں دیکھتے ہو
مطیع ان کا سارا جہاں دیکھتے ہو
انھیں برتر از آسماں دیکھتے ہو
یہ ثمرے ہیں ان کی جواں مردیوں کے
نتیجے ہیں آپس کی ہمدردیوں کے

حالی

۷- ہمدردیِ قوم

ہمارا یہ حق تھا کہ سب یار ہوتے
مصیبت میں یا روں کے غمخوار ہوتے

سب ایک اک کے باہم مددگار ہوتے — عزیزوں کے غم میں دل افگار ہوتے

جب اُلفت میں یوں ہوتے ثابت قدم ہم
تو کہہ سکتے اپنے کو خیر الامم ہم

اگر بھولتے ہم نہ قول پیمبرؐ — کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر
برادر ہے جب تک برادر کا یاور — مُعین اس کا ہے خود خداوند داور

تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی
فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

وہ گھر جس میں ہوں دل ملے سب کے باہم — خوشی ناخوشی میں ہوں سب یار ہمدم
اگر ایک خوش دل تو گھر سارا خرّم — اگر ایک غمگیں تو دل سب کے پُر غم

مبارک ہے اس قصرِ شاہنشہی سے
جہاں ایک دل ہو مُکدّر کسی سے

حالی

۸- دستگیری قوم

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہموطنو — اُٹھو اہلِ وطن کے دوست بنو

مرد ہو تو کسی کے کام آؤ — ورنہ کھاؤ پیو چلے جاؤ
جب کوئی زندگی کا لطف اٹھاؤ — دل کو دکھ بھائیوں کے یاد دلاؤ
پہنو جب کوئی عمدہ تم پوشاک — کرو دامن سے تا گریباں چاک
کھانا کھاؤ تو جی میں شرماؤ — ٹھنڈا پانی پیو تو اشک بہاؤ
کتنے بھائی تمہارے ہیں نادار — زندگی سے ہے جن کا دل بیزار
نوکروں کی تمہارے جو ہے غذا — ان کو وہ خواب میں نہیں ملتا
جس پہ تم جوتیوں سے پھرتے ہو — واں میسر نہیں وہ اوڑھنے کو
کھاؤ تو پہلے لو خبر ان کی — جن پہ بپتا ہے نیستی کی پڑی
پہنو تو پہلے بھائیوں کو پہناؤ — کہ ہے اترن تمہاری جن کا بناؤ

ایک ڈالی کے سب ہیں برگ و ثمر
ہے کوئی ان میں خشک اور کوئی تر

مقبلو مدبروں کو یاد کرو — خوش دلو غمزدوں کو شاد کرو
جاگنے والو غافلوں کو جگاؤ — تیرنے والو ڈوبتوں کو تراؤ
تندرستی کا شکر کیا ہے بتاؤ — رنج بیمار بھائیوں کا بٹاؤ
تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر — نہ کسی ہموطن کو سمجھو غیر

ہو مسلمان اس میں یا ہندو | بودھ مذہب ہو یا کہ ہو برہمو
سب کو میٹھی نگاہ سے دیکھو | سمجھو آنکھوں کی پتلیاں سب کو

ملک ہیں اتفاق سے آزاد
شہر ہیں اتفاق سے آباد

گر رہا چاہتے ہو عزت سے | بھائیوں کو نکالو ذلت سے
ان کی عزت تمہاری عزت ہے | ان کی ذلت تمہاری ذلت ہے
قوم کا مبتذل ہے جو انساں | بے حقیقت ہے گرچہ ہے سلطاں
قوم دنیا میں جس کی ہے ممتاز | ہے فقیری میں بھی وہ با اعزاز
عزتِ قوم چاہتے ہو اگر | جا کے پھیلاؤ ان میں علم و ہنر
ذات کا فخر اور نسب کا غرور | اُٹھ گئے اب جہاں سے یہ دستور
اب نہ سیّد کا افتخار صحیح | نہ برہمن کو شدر پر ترجیح
قوم کی عزت اب ہنر سے ہے | علم سے یا کہ سیم و زر سے ہے
کوئی دن میں وہ دور آئے گا | بے ہنر بھیک تک نہ پائے گا
نہ رہیں گے سدا یہی دن رات | یاد رکھنا ہماری آج کی بات

گر نہیں سنتے قول حالیؔ کا
پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

حالی

جلد ۳

۹ - حُبّ وطن

ای سپہر بریں کے سیارو
اے فضائے زمیں کے گلزارو

اے پہاڑوں کی دلفریب فضا
اے لبِ جو کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا

اے عنادل کے نغمۂ سحری
اے شبِ ماہتاب تاروں بھری

اے نسیم بہار کے جھونکو
دہرِ ناپائیدار کے دھوکو

تم ہر اک حال میں ہو یوں تو عزیز
تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز

جب وطن میں ہمارا تھا رہنا
تم سے دل باغ باغ تھا اپنا

تم مری دل لگی کے ساماں تھے
تم مرے درد دل کے درماں تھے

تم سے کٹتا تھا رنجِ تنہائی
تم سے پاتا تھا دل شکیبائی

آن اک اک تمہاری بھاتی تھی
جو ادا تھی وہ جی لبھاتی تھی

کرتے تھے جب تم اپنی غمخواری
دھوئی جاتی تھیں کلفتیں ساری

جب ہوا کھانے باغ جاتے تھے
ہو کے خوش حال گھر میں آتے تھے

بیٹھ جاتے تھے جب کبھی لبِ آب
دھو کے اٹھتے تھے دل کے داغ شتاب

جلد۳

کوہ وصحرا و آسمان و زمیں — سب مری دل لگی کی شکلیں تھیں
پر چھٹا جب سے اپنا ملک و دیار — جی ہوا تم سے خود بخود بیزار
نہ گلوں کی ادا خوش آتی ہے — نہ صدا بلبلوں کی بھاتی ہے
سیر گلشن ہے جی کا اک جنجال — شب مہتاب جان کو ہے وبال
کوہ وصحرا سے تا لبِ دریا — جس طرف جائیں جی نہیں لگتا
کیا ہوئے وہ دن اور وہ راتیں — تم میں اگلی سی اب نہیں باتیں

ہم ہی غربت میں ہو گئے کچھ اور
یا تمہارے ہی کچھ بدل گئے طور

حالی

۱۰۔ حُبّ وطن

اے دل اے بندۂ وطن ہشیار — خواب غفلت سے ہو ذرا بیدار
او شراب خودی کے متوالے — گھر کی چوکھٹ کے چومنے والے
نام ہے کیا اسی کا حُبّ وطن — جس کی تجھکو لگی ہوئی ہے لگن
کبھی بچوں کا دھیان آتا ہے — کبھی یاروں کا غم ستاتا ہے

یاد آتا ہے اپنا شہر کبھی | تو کبھی اہل شہر کی ہے لگی
نقش ہیں دل پہ کوچہ و بازار | پھرتے آنکھوں میں ہیں در و دیوار
کیا وطن کی یہی محبت ہے | یہ بھی اُلفت میں کوئی اُلفت ہے
اس میں انساں سے کم نہیں ہیں درند | اس سے خالی نہیں چرند و پرند
جاکے کابُل میں آم کا پودا | کبھی پروان چڑھ نہیں سکتا
آکے کابُل سے یہاں بہی و انار | ہو نہیں سکتے بارور زنہار
مچھلی جب چھوٹتی ہی پانی سے | ہاتھ دھوتی ہی زندگانی سے
گھوڑے جب کھیت سے بچھڑتے ہیں | جان کے لالے ان کو پڑتے ہیں
گائے یا بھینس اونٹ یا بکری | اپنے اپنے ٹھکانے خوش ہیں سبھی

کہئیے حُبِّ وطن اسی کو اگر
ہم سے حیواں نہیں ہیں کچھ کمتر

حالی

۱۱۔ حُبِّ وطن

حُبّ الوطن ز ملکِ سلیماں نکوتر است | خارِ وطن ز سنبل و ریحاں نکوتر است

جلد۳

سلطانِ دل کا گرچہ یہی حکم عام ہے — اور متفق اسی پہ زمانہ تمام ہے

پر ملک مصلحت کا ہے کچھ انتظام اور — اس سلطنت کو چاہیئے طرزِ نظام اور

حُبِّ وطن اسے نہیں کہتے کہ باغ سے — نکلے جو گُل تو خاک ہو فرقت کی داغ سے

حُبِّ وطن نہ یہ ہے کہ پانی میں گر نہ ہو — ماہی کی زندگی کسی صورت بسر نہ ہو

حُبِّ وطن اسے بھی نہیں کہتے اہلِ دید — آرام جانِ وطن کو جو سمجھیں گھروں میں عید

آبِ خنک ہو سامنے اور نانِ گرم ہو — اور وقتِ خواب فرش بھی سونے کو نرم ہو

حُبِّ وطن اسے بھی نہیں کہتے اہلِ ہوش — یادِ وطن میں ہووے گہے جوش گہہ خروش

بچوں کی طرح روتے سدا زار زار ہوں — اور مادر و پدر کے لیے بے قرار ہوں

اہل و عیال کا نہ گوارا فراق ہو — اور یار کا فراق بہت دل پہ شاق ہو

حُبِّ وطن اسے نہیں کہتے کہ گھر رہیں — بچوں کے مُنہ کو چومتے آٹھوں پہر رہیں

ہو کوئی گود میں کوئی گردن کا ہار ہو — بی بی کہیں میاں کو بہت مجھ سے پیار ہے

اے دوست یہ تو دوستیِ سنگ و خشت ہے

یہ دوستی تو خوب نہیں بلکہ زشت ہے

اب میں تمھیں بتاؤں کہ حُبِّ وطن ہے کیا — وہ کیا چمن ہے اور وہ ہوائے چمن ہے کیا

وہ رحمتِ خدا کہ جو بندوں پہ عام ہے — وہ لطفِ عام جس سے جہاں شاد کام ہے

وہ نور جس سے زمانہ میں نور ہے
وہ نور ذرّہ ذرّہ پہ جس کا ظہور ہے
حُبِّ وطن ہی جلوہ اسی نورِ پاک کا
اور روشن اس کے نور سے عالم ہی خاک کا
ہو جس میں یہ نور تو اس کو کرن کہیں
گر دل سے جلوہ گر ہو تو حُبِّ وطن کہیں
رکھتا جو سب پہ لُطف و کرم کی نگاہ ہو
اور دل سے ہر بشر کے لیے خیر خواہ ہو
آوارۂ سفر ہو کہ موجود گھر میں ہو
ہاتھ اپنا جیبِ نفع میں ہو یا ضرر میں ہو
ہر حال میں رہیں اسے اہلِ وطن عزیز
اور ہو دیں نیک و بد روشِ جان و تن عزیز
حُبّ الوطن ہی نور ہیں ہم نورِ آفتاب
اور کرتا ہے ظہور بدستورِ آفتاب
اس کا بھی روز و شب کی طرح ہیر پھیر ہی
اک جا جو روشنی ہی تو اک جا اندھیر ہی
آج اس کا آفتاب ہی اوجِ فرنگ پر
اور رات ہند کی ہی رُخِ تیرہ رنگ پر
ہی کچھ حساب اور وہاں کی کتاب کا
رکھتا ورق ورق ہی نشاں آفتاب کا
جانباز ہیں تو بہرِ وطن جاں نثار ہیں
اور تیغِ عزم رکھتے سدا آبدار ہیں
قائم ہوتا کہ دبدبہ اہلِ غرور پر
اور بیٹھے سکّہ ملک کا نزدیک و دُور پر

وہ مال کچھ سمجھتے نہیں نقدِ جان کو
دیتے ہیں شان اپنے وطن کے نشان کو

آزاد

جلد ۳

۱۲- کاہلِ بیکار

نہیں کرتے کھیتی میں جو جانفشانی	نہ ہل جوتتے ہیں نہ دیتے ہیں پانی
یہ جب یاس کرتی ہے دل پر گرانی	تو کہتے ہیں حق کی ہے نامہربانی

نہیں لیتے کچھ کام تدبیر سے وہ
سدا لڑتے رہتے ہیں تقدیر سے وہ

کبھی کہتے ہیں ہیچ ہیں سب یہ ساماں	کہ خود زندگی ہے کوئی دن کی مہماں
دھرے سب رہ جائیں گے کاخ و ایواں	نہ باقی رہے گی حکومت نہ فرماں

ترقی اگر ہم نے کی بھی تو پھر کیا
یہ بازی اگر جیت لی بھی تو پھر کیا

کبھی کہتے ہیں زہر ہے مال و دولت	اُٹھاتے ہیں جس کے لیے رنج و محنت
اسی سے گناہوں کی ہوتی ہے رغبت	اسی سے دماغوں میں آتی ہے نخوت

یہی حق سے کرتی ہے بندوں کو غافل
ہوئے ہیں عذاب اس سے قوموں پہ نازل

کبھی کہتے ہیں سعی و کوشش ہے حاصل	کہ مقسوم بن کوششیں سب ہیں باطل

جلد ۳

نہیں ہوتی کوشش سے تقدیر زائل
برابر ہیں یہاں مختتی اور کاہل

ہلانے سے روزی کی گر ڈور ہلتی
تو روٹی نکموں کو ہرگز نہ ملتی

نکموں کے ہیں سب یہ دلکش ترانے
سلانے کو قسمت کے رنگیں فسانے

اسی طرح کے کر کے حیلے بہانے
نہیں چاہتے دست و بازو ہلانے

وہ بھولے ہوئے ہیں یہ عادت خدا کی
کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی

سنی تم نے یہ جس جماعت کی حالت
تنزل کی بنیاد ہے یہ جماعت

بگڑتی ہیں قومیں اسی کی بدولت
ہوا اس کی ہے مفسد ملک و ملت

کیا صور و صیدا کو برباد اسی نے
بگاڑا دمشق اور بغداد اسی نے

جہاں ہو زمین پر نحوست ہے ان کی
جدھر ہو زمانہ میں نکبت ہے ان کی

مصیبت کا پیغام کثرت ہے ان کی
تباہی کا لشکر جماعت ہے ان کی

وجود ان کا اصل البلیات ہے یاں
خدا کا غضب ان کی بہتات ہے یاں

سب ایسے تن آساں و بیکار و کاہل — تمدن کے حق میں ہیں زہر ہلاہل
جلد۲ نہیں ان سے کچھ نوعِ انساں کو حاصل — نہیں ان کی صحبت کہ ہے سمِ قاتل

یہ جب پھیلتی ہے سمٹتی ہے دولت
یہ جوں جوں کہ بڑھتی ہے گھٹتی ہے دولت

جہاں بڑھ گئی ان کی تعداد حد سے — ہوئی قوم محسوب سب امم سے
رہا اس کو بہرہ نہ حق کی مدد سے — وہ اب بچ نہیں سکتی نکبت کی زد سے

بچو ایسے شوموں کی پرچھائیوں سے
ڈرو ایسے چپ چاپ یغمائیوں سے

حالی

۱۳۔ مستعدِ کار

مگر اک فریق اور ان کے سوا ہے — شرف جن سے نوعِ بشر کو ملا ہے
سب اس بزم میں جن کا نور و ضیا ہے — سب اس باغ کی جن سے نشو و نما ہے

ہوئے جو کہ پیدا ہیں محنت کی خاطر
بنے ہیں زمانہ کی خدمت کی خاطر

لگے رہتے ہیں کام میں روز و شب وہ راحت طلب ہیں نہ مہلت طلب وہ
بہت جاگ لیتے ہیں سوتے ہیں تب وہ نہیں لیتے دم ایک دم بے سبب وہ جلد ۳
وہ تھکتے ہیں اور چین پاتی ہے دنیا
کماتے ہیں وہ اور کھاتی ہے دنیا

نہیں آتی آرام کی ان کی باری مشقت میں عمراں کی کٹتی ہے ساری
نہ آندھی میں عاجز نہ مینہ میں ہیں عاری سدا بھاگ دوڑ ان کی رہتی ہے جاری
نہ لو جیٹھ کی دم تڑاتی ہے ان کا
نہ ٹھر ماہ کی جی چھڑاتی ہے ان کا

سمائی ہے دل میں بہت اس کی عظمت خدا نے عطا کی ہے جو ان کو قوت
نہیں کرتی زیر ان کو کوئی صعوبت نہیں پھیرتی ان کا منہ کوئی زحمت
بھروسے یہ اپنے دل دوست و پا کے
سمجھتے ہیں ساتھ اپنے لشکر خدا کے

انھیں سے ہے سرسبز ہر قوم و ملت انھیں سے ہے آباد ہر ملک و دولت
انھیں کی ہے سب ربع مسکوں میں برکت انھیں پر ہے موقوف قوموں کی عزت
دم ان کا ہے دنیا میں رحمت خدا کی
انھیں کو ہے بیتی خلافت خدا کی حالی

۱۴- کوشش

جلد ۳

بے کوشش و بے جہد ثمر کس کو ملا ہے   بے غوطہ زنی گنجِ گہر کس کو ملا

بے خون پئے لقمۂ تر کس کو ملا ہے   بے جور کشتی تاجِ ظفر کس کو ملا

بے خاک کے چھانے ہوئے زر کس کو ملا ہے   بے کاوشِ جاں علم و ہنر کس کو ملا

جو رتبۂ والا کے سزاوار ہوئے ہیں

وہ پہلے مصیبت کے طلبگار ہوئے ہیں

کوشش ہی نے اجرام سماوی کو ہے تولا   کوشش ہی نے طبقاتِ زمیں کو ہے

کوشش ہی نے رستہ نئی دنیا کا ہے کھولا   کوشش ہی نے گوہر ہے تہِ بحر سے

کوشش ہی کا طوطی ہے سدا دہر میں بولا   کوشش ہی غرض طرفہ طلسمات

قدرت نے فتوحات کی رکھی ہے یہی راہ

سعی اپنی طرف سے ہو تو اتمام من اللہ

اسمٰعیل

۱۵- کوشش

ہوا کچھ وہی جس نے یاں کچھ کیا ہے   لیا جس نے پھل بیج بو کر لیا

گرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہے مثل ہی کہ کرتے کی سب بدّیا ہے

یونہیں وقت سوسو کے ہیں جو گنواتے

وہ خرگوش کچھوؤں سے ہیں زک اٹھاتے

نہیں ملتی کوشش سے دُنیا ہی تنہا کہ ارکانِ دیں بھی اسی پہ ہیں برپا

جنہیں ہو دنیائے فانی کی پروا کریں آخرت کا ہی وہ کاش سودا

نہیں ہلتے دُنیا کی خاطر اگر تم

تو لو دین حق کی ہی اُٹھکر خبر تم

حالی

۱۶۔ راہِ ترقی

مشقّت کی ذلّت جنھوں نے اُٹھائی جہاں میں ملی ان کو آخر بڑائی

کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی فضیلت نہ عزت نہ فرماں روائی

نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں

ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر چڑھے ہیں

نہ بونصر تھا تو ع میں ہم سے بالا نہ تھا بوعلی کچھ جہاں سے نرالا

طبیعت کو بچپن سے محنت میں ڈالا ہوئے اس لیے صاحبِ قدر والا

جلد ۳

اگر فکرِ کسبِ ہنر تم کو بھی ہو

تمھیں بھی ابو نصر اور بو علی ہو

بہت ہم میں اور تم میں جوہر ہیں مخفی خبر کچھ نہ ہم کو نہ تم کو ہے جن کی

اگر جیتے جی کچھ نہ ان کی خبر لی تو ہو جائیں گے مل کے مٹی میں مٹی

یہ جوہر ہیں ہم میں امانت خدا کی

مبادا تلف ہو ودیعت خدا کی

یہی جو کہ پھرتے ہیں بے علم و جاہل بہت ان میں ہیں جن کے جوہر ہیں قابل

رذائل میں پنہاں ہیں ان کے فضائل انھیں ناقصوں میں ہیں پوشیدہ کامل

نہ ہوتے اگر مائل لہو و بازی

ہزاروں انھیں میں تھے طوسی و رازی

حالی

۱۷۔ استقلال

یہ اک خارکش صبر و ہمت میں کامل یہ کھتا تھا محنت سے گھٹتا تھا جب دل

کہ جن سختیوں کا اُٹھانا ہے مشکل وہی ہیں کچھ اے دل اُٹھانے کے قابل

حلال آدمی کو ہے کھانا نہ پینا
نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینا

نہیں سہل گر صید کا ہاتھ آنا تو لازم ہے گھوڑوں کو سرپٹ بھگانا
نہ بیٹھو جو ہے بوجھ بھاری اُٹھانا ذرا تیز ہانکو جو ہے دور جانا

زمانہ اگر ہم سے زور آزما ہے
تو وقت اے عزیزو یہی زور کا ہے

بشر کو ہے لازم کہ ہمت نہ ہارے جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے
خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے

اڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو
سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو

تمہیں اپنی مشکل کو آساں کرو گے تمہیں درد کا اپنے درماں کرو گے
تمہیں اپنی منزل کا ساماں کرو گے کرو گے تمہیں کچھ اگر یہاں کرو گے

چھپا دستِ ہمت میں زورِ قضا ہے
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

حالی

جلد۳

۱۸- ہمّت

ہمّت ہی حرارت ہی وہی ہی حرکت بھی ہمّت ہی سے ہر قوم نے پائی ہی ترقی
گر جیونٹی تیمور کی ہمّت نہ بندھاتی ہتیار بھی بیکار تھے اور فوج نکمّی
ہمت ہی سرِ انجامِ مہمات کی کنجی ہمت ہی حقیقت میں ہی توفیقِ الٰہی
ہمّت ہی بنا دیتی ہے مفلس کو تونگر
ہمت کے سفینہ کا اُٹھا دیجیے لنگر

حالی

۱۹- نونہالِ قوم

ہی قوم اگر باغ تو تم اس کے شجر ہو ہی قوم اگر نخل تو تم اس کے ثمر ہو
ہی قوم اگر آنکھ تو تم نورِ بصر ہو ہی قوم اگر چرخ تو تم شمس و قمر ہو
ہی قوم اگر کان تو تم لعل و گہر ہو نظارگی ہے قوم تو تم مدِّ نظر ہو
موسیٰؑ بنو اور قوم کو ذلت سے بچاؤ
گوسالۂ غفلت کی پرستش کو چھڑاؤ

اسمٰعیل

جلد ۳

۲۰ - ترقیِ قوم

اے خوشا وہ قوم مستقبل ہو جس کا شاندار
کل سے بہتر آج ہو اور آج سے بہتر ہو کل

دمبدم راہ طلب میں گر رہی ہو دوڑ دھوپ
ایک نقطہ پر نہ ہو اس کو توقف ایک پل

کیوں نہ ہو اس قوم کی دنیا کے ہر گوشہ میں ساکھ
جس میں ہیں اخلاق سکت ہو اور ہو حکمت کا بل

ہچکچاتی ہو پہاڑوں سے نہ دریا سے رکے
ہمتیں ہوں اس کی عالی عزم ہوں اس کے اٹل

حسرتا وہ قوم ناقابل کہ ہو ننگ سلف
کاہلی سے دست بازو ہو گئے ہوں جس کے شل

اس کی دولت کیا کہ ہوں افراد جس کے بے ہنر
مفلسی بھی اور دماغوں میں مشیخت کا خلل

کر دیا ہے خانہ برباد آج انھیں اسراف نے
جن کو قدرت نے دیئے تھے سیکڑوں سنگیں محل

خیر جو گزرا سو گزرا یہ جو ہیں تازہ نہال
فکر ان کی چاہیے شاید یہی جائیں سنبھل

ان کو بار آور بناؤ خواہ بیکار و فضول
آج جس سانچے میں ڈھالو گے انھیں جائیں گے ڈھل

کھیت میں پیدا ہوں بیج دی اور نہ سینچو وقت پر
ہے نتیجہ صاف ظاہر دھوپ سے جائیں گے جل

سو کھ کر جھڑ جائیں کلیاں در نہ چیتے باغباں
ایسے ظالم باغباں کو کیا ملے گا خاک پھل

جی چُرانا کام سے اور کامیابی کا یقیں

اے عزیزو ہے خلافِ حکمِ حقِ عزوجل

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی پڑھتے تو ہو — لیکن اس پڑھنے کا اے حضرات آخر ما حصل

شہد کی مکھی کو دیکھو کس قدر مصروف ہے — چوس کر ہر پھول سے لاتی ہے بیچاری عسل

اپنے بچوں کے لیے کرتی ہے آذوقہ تلاش — آخرش آتے ہیں بچوں کے بھی پر پُرزے نکل

یہ نئی تانتی ہماری کیا کرے گی بھاگ دوڑ

تنگنائے کاہلی میں جب بڑے جائیں یہ بیل

بعض کہتے ہیں بڑھو آگے کہ ہے میداں وسیع — بعض کہتے ہیں کہ یہ ہیں کہنے والے مبتذل

دیکھنا تم ٹس سے مس ہرگز نہ ہونا ایک انچ — بڑھ گئے آگے تو آجائے گا ایماں میں خلل

ان کا کہنا مانئے یا ان کی خاطر کیجیے — اپنا عقدہ کیجئے آپ اپنے ہی ناخن سے حل

تیز کر اپنی توجہ کی کرن اے آفتاب

تاکہ جائے عادتوں سے برف سستی کی پگھل

تیری سرگرمی سمندر سے اُٹھائے گی بخار — پھر ہوا میں جمع ہوں گے بادلوں کے دل کے دل

دشت اور کہسار پر برسیں گے اک دن جھوم جھوم — ایک ہو جائیگا آخر دیکھنا جل اور تھل

پھر تو ہر مردہ زمیں بنجائے گی باغ و بہار — پھر تو کھل جائیں گے پژمردہ دلوں کے بھی کنول

دل نہ ہو دردآشنا تو نظم ہے اک دردِ سر
کیا رُباعی، کیا قصیدہ کیا مخمس کیا غزل

اسمٰعیل

۲۱۔ صلائے عزم

اے عزم جلوہ گر ہو پھر عالمِ کُہن میں
دے ڈال زلزلہ پھر شیرانِ صف شکن میں

او برق کے شرارے او دل جلوں کے ہمدم
ایک آگ پھر لگا دے افسردہ انجمن میں

ہمت کی مے پلا کر پھر حوصلے بڑھا دے
اگلا سا کیف بھر دے پھر شیشۂ کُہن میں

ہو پھر رواں رگوں میں غیرت کا خون اپنی
پیدا ہوں سورما پھر اُجڑے ہوئے وطن میں

سوزِ دروں عطا کر بجھتے ہوئے دلوں کو
جل اُٹھیں جس سے سینے وہ بات دے جلن میں

تجھ سے ہم وردوں نے پائی ہے فتح و نصرت
اسرار ہیں جہاں کے پنہاں ترے چلن میں

ڈھارس تھی دل کو اُس کے تیرے ہی دم قدم سے
پھونکی تھی روح تو نے محمود بت شکن میں

تھے سورما کہاں کے تھا اُن میں زور تیرا
تیری ہی گرم جوشی تھی گیو و تہمتن میں

تیغے میں کیا دھرا تھا تیری ہی اک چمک تھی
ڈالی تھی جان تو نے فرہادِ کوہ کن میں

کیف و سرور تیرا مجنوں کا ہم نفس تھا
ملتی تھی اُس کو لذت ہر خار کی چبھن میں

نکلا مقابل پہ تیرے وہ فخرِ ہند گھر سے — تھا رام کا سہارا تو کوہ اور بن میں

جلد۳ تو ہی دل و جگر میں تو ہی دواں رگوں میں — جنبش تری عمل میں جذبہ ترا سخن میں

ہے تیری فیض باری شعبوں میں زندگی کے — ہے تیری جلوہ ریزی ایوانِ علم و فن میں

ان کی زباں سے ہر دم چنگاریاں ہیں جھڑتی — دوڑائی برق تو نے جن کے لب و دہن میں

کچھ کر کے اب اٹھیں گے تجھ سے لگائی لو ہے — پنہاں شرر ہیں تیرے یاروں کے پیرہن میں

روبہ صفت جو کل تھے پا کر ترا سہارا — پھرتے ہیں آج بھر کے وہ شیر کے بدن میں

تیرا علم اٹھا کر نکلے ہیں کچھ بہم ور — شاید حیات تازہ پیدا ہو پھر وطن میں

جو تیرا درد لے کر ناکام اٹھے جہاں سے — لاشیں تڑپ رہی ہیں ان کی پڑی کفن میں

اتنی ہے بس تمنا اے عزمِ ترمذی کی
مرنا ہو یا کہ جینا ہو قوم کی لگن میں

ترمذی

۲۲- ترانۂ حیات

مجھکو نہ کہہ اس درد و الم سے ہستی ہے مثلِ خواب مری
کام ہے نقشِ برآب ہرا امید طلسم سراب مری

نیند کی ماتی روح ہی مردہ کُ مردہ ہی جو بیتاب نہیں
چہرۂ بود بہ رنگ نمود دہر بغیر حجاب نہیں

ہستی حقیقی خلقت سچی، قبر نہیں انجام اس کا
خاک کا پتلا خاک ہے آخر روح نہیں پر نام اس کا

رنج و محن مقصود اور عیش نہیں معراج ترا
جدّ و جہد میں ایسے بسر کر کل سے ہو بہتر آج ترا

کام ہی بھاری وقت سبک پا جاں ہی پا بہ رکاب تیری
عمر رواں کو بانگ جرس آوازِ دلِ بیتاب تری

ماضی ہی مردہ اور مستقبل اب تک بطنِ عدم میں ہی
حال ہی زندہ اس میں دکھا کچھ دم باقی گر دم میں ہی

جنگ کا ہے میدان یہ دُنیا دیکھ مصافِ ہستی کو
بند۳ چھوڑ دے عجز پرستی کو اور ڈھونڈ نہ راہِ پستی کو

کام مشاہیرِ دنیا کے اب بھی کر سکتے ہیں ہم
یاں سے گزر جائیں تو چھوڑیں دہر پہ ایسے نقشِ قدم

نقشِ قدم، رہ گم کردہ کو دستِ خضر بن جائیں جو
یاس کی شب میں ہرِ مسافر نجمِ سحر بن جائیں جو

اُٹھ مرے ہمدم باندھ کمر اور صبر سے گرمِ کار رہو تو
پھر ترے سر پہ جو کچھ آئے سہنے کو تیار رہو تو

حکیم

(ترجمہ انگریزی نظم)

جلد ۳

۲۳- اِدبارِ قوم

ختم جب اقبال کا ہوتا ہے دور — سارے بگڑ جاتے ہیں قوموں کے طور
خصلتیں ان کی نہیں رہتیں درست — فرض ادا کرنے میں رہتے ہیں سست
بھول کے بھی وہ نہیں لاتے بجا — بندوں کے حق اور حقوقِ خدا
ملتی ہے ہر چند کہ مہلت انھیں، — پر کبھی ہوتی نہیں عبرت انھیں
جب نہیں غفلت کا اُترتا خمار — ہوش میں آتے نہیں وہ زینہار
کرتے سزا سے نہیں پھر درگزر — کارگزارانِ قضا و قدر
لیتے ہیں چھین ان سے حکومت کبھی — کرتے ہیں سلب ان کی لیاقت کبھی
علم کبھی دیتے ہیں ان کا مٹا — دیتے ہیں دولت کبھی ان کی لٹا

اس پہ بھی ہوتے نہیں جب ہوشیار
بھیجتے ہیں قحط و وبا بار بار

حالی

۲۴- جہل مرکب

کسی نے یہ بُقراط سے جا کے پوچھا — مرض تیرے نزدیک مُہلک ہیں کیا کیا

کہا دُکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا　　کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں
سبب یا علامت گر اُن کو سجھائیں　　تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں　　یونہیں رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں
طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ
یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ
یہی حال دُنیا میں اس قوم کا ہے　　بھنور میں جہاز آکے جس کا گھرا ہے
کنارا ہے دُور اور طوفاں بپا ہے　　گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہلِ کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہلِ کشتی

حالی

۲۵- انصاف پسندی

سعادت بڑی اس زمانہ کی یہ تھی　　کہ جھکتی تھی گردن نصیحت پہ سب کی

نہ کرتے تھے خود قولِ حق سے خموشی — نہ لگتی تھی حق کی انھیں بات کڑوی
جلد ۲
غلاموں سے ہو جاتے تھے بند آقا
خلیفہ سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا

نبیؐ نے کہا تھا جنھیں فخرِ اُمت — جنھیں خلد کی مل چکی تھی بشارت
مسلم تھی عالم میں جن کی عدالت — رہا مفتخر جن سے تختِ خلافت
وہ پھرتے تھے راتوں کو چھپ چھپ کے در در
کہ شرمائیں اپنا کہیں عیب سن کر

مگر ہم کہ ہیں دام و دد ہم سے بہتر — نہ ظاہر کہیں ہم میں خوبی نہ مضمر
نہ اقران و امثال میں ہیں ہم موقر — نہ اجداد و اسلاف کے ہم میں جوہر
نصیحت سے ایسا بُرا مانتے ہیں
کہ گویا ہم اپنے کو پہچانتے ہیں

اُسے جانتے ہیں بڑا اپنا دشمن — ہمارے کرے عیب جو ہم پہ روشن
نصیحت سے نفرت ہی ناصح سے اَن بَن — سمجھتے ہیں ہم رہنماؤں کو رہزن
یہی عیب ہی سب کو کھویا ہی جس نے
ہمیں ناؤ بھر کر ڈبویا ہے جس نے
حالی

۲۶- آفتِ نفاق

جلد ۳

قوم میں جو دیکھیے چھوٹا بڑا
چُنتا ہی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جُدا

مضحکہ خود اپنا بناتے ہیں وہ
اپنے یہ عالم کو ہنساتے ہیں وہ

سُوجھتی مِلّت کی نہیں کوئی بات
یہ جو کہے دن تو وہ کہتا ہی رات

زید کا ہی عمرو سے ظاہر ملاپ
دل میں بھرا دونوں کے لیکن ہی پاپ

رہتا ہی ایک ایک کے درپے نہاں
جس سے جسے دیکھیے ہے بدگماں

ایک یہ کہتا ہے کہ میری چلے
دوسرا خواہاں کہ زک اس کو ملے

دیکھیے جس کو وہ ہی اس تاک میں
یاروں کے منصوبے ملیں خاک میں

قوم کی قوم آتی ہے بیکس نظر
جاتی ہیں جھاڑو کی سی سینکیں بکھر

حالی

۲۷- نتیجۂ اتفاق

مُلک ہیں نفاق سے آزاد
شہر ہیں اتفاق سے آباد

ہند میں اتفاق ہوتا اگر
کھاتے غیروں کی ٹھوکریں کیونکر
قوم جب اتفاق کھو بیٹھی
اپنی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھی
ایک کا ایک ہو گیا بدخواہ
لگی غیروں کی تم پہ پڑنے نگاہ
پھر گئے بھائیوں سے جب بھائی
جو نہ آنی تھی وہ بلا آئی
پاؤں اقبال کے اُکھڑنے لگے
مُلک پر سب کے ہاتھ پڑنے لگے
کبھی چڑھ کر کسی نے گھر لوٹا
کبھی آ کر کسی نے زر لوٹا
کبھی اُس نے ہی قتلِ عام کیا
کہیں اس نے ہی آ غلام کیا
ملک روندے گئے ہیں پیروں سے
چین کس کو ملا ہے غیروں سے

حالی

۲۸۔ نفسانیت

فاضلوں کو ہے فاضلوں سے عناد
پنڈتوں میں پڑے ہوئے ہیں فساد
ہے طبیبوں میں نوک جھوک سدا
ایک سے ایک کا ہے تھوک جدا
رہتے دو اہلِ علم ہیں اس طرح
پہلوانوں میں لاگ ہو جس طرح

عیدو والوں کا ہے اگر بیٹھا — شنخو والوں میں جا نہیں سکتا
شاعروں میں بھی ہے یہی تکرار — خوشنویسوں کو ہے یہی آزار
لاکھ نیکیوں کا کیوں نہو اک نیک — دیکھ سکتا نہیں ہے ایک کو ایک
نسخہ اک طب کا جس کو آتا ہے — سگے بھائی سے وہ چھپاتا ہے
جس کو آتا ہے پھونکنا کشتہ — ہے ہماری طرف سے وہ گونگا
جس کو ہے کچھ رمل میں معلومات — وہ نہیں کرتا سیدھی منہ سی بات
کام کندلے کا جس کو ہے معلوم — ہے زمانے میں اس کے بخل کی دھوم
الغرض جس کے پاس ہے کچھ چیز — جان سے بھی سوا ہے اس کو عزیز
سب کمالات اور ہنر ان کے — قبر میں ان کے ساتھ جائیں گے

قوم پر ان کا کچھ نہیں احسان
ان کا ہونا نہ ہونا ہے یکساں

حالی

۲۹ - تصنع

کرتے ہیں سو سو طرح سے جلوہ گر — ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر

جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار   عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
دوست اس کے ہیں نہ اس کے آشنا   گو بظاہر سب سے ہیں شیر و شکر
خصلتیں روباہ کی رکھتے ہیں ہم   گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر نر
اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقیں   کرتے ہیں نفرت بدی سے جس قدر
کرنی پڑتی ہے کسی کی مدح جب   کرتے ہیں تقریر اک شستہ مختصر
گر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم   کرتے ہیں رسوا اسے دل کھول کر
کی نہیں جس نے کبھی کوئی بدی   تنگ کرتے ہیں اس سے خواہاں عمر بھر
ایک رنجش میں بھلا دیتے ہیں سب   ہوں کسی کے ہم پہ لاکھ احساں اگر
عیب کچھ گنتے نہیں اس عیب کو   جس سے ہوں اپنے سوا سب بے خبر
خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں   کھینچ کر لاتے ہیں اس کو سوئے شر
بنتے ہیں یاروں کے ناصح تاکہ ہو   عیب ان کا ظاہر اور اپنا ہنر

دوست اک عالم کے پر مطلب کے دوست
ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

حالی

۳۰۔ قلّتِ معاش

جلد۳

کرتے ہیں قصدِ تجارت تو گرہ میں نہیں دَم
دست کاری کو یہ سمجھے ہیں کہ ہے کارِ عوام

نہیں ہل جوتنے میں راحت و آرام کا نام
بنتے پھرتے ہیں اسی واسطے اِک اِک کے غلام

ہاتھ اپنے دلِ آزاد سے ہم دھو بیٹھے
ایک دولت تھی ہماری سو اسے کھو بیٹھے

نوکری ٹھیری ہے لے دے کے اب اوقات اپنی
پیشہ سمجھے تھے جسے ہو گئی وہ ذات اپنی

اب نہ دن اپنا رہا اور نہ رہی رات اپنی
جا پڑی غیر کے ہاتھوں میں ہر اک بات اپنی

نظر آتی نہیں مطلب کی کوئی گھات ہمیں
وہ پڑا نقشہ کہ ہر چال میں ہے مات ہمیں

حالی

۳۱۔ وقتِ ملازمت

ایک وہ ہیں کہ زمانہ کرے انصاف اگر
اور کھل جائیں کمالات بھی ان کے سب پر

جوہری جو ہیں وہ سب ان کے پرکھ لیں جوہر
کامیابی نہیں ان کے لیے اس سے بڑھ کر

کہ سدا قید رہیں مرغِ خوش الحاں کی طرح
جا کے بک جائیں کہیں یوسفِ کنعاں کی طرح

دیکھ لیں جب انھیں ہر علم و ہنر میں یکتا
شرفِ ذات میں اور اصلِ گہر میں یکتا
زورِ بازو میں بلندیِ نظر میں یکتا
الغرض جملہ کمالاتِ بشر میں یکتا

اور پھر اس پہ مدد طالع بیدار کی ہو
تب نصیب ان کو غلامی کسی سرکار کی ہو

ورنہ دن رات پھریں ٹھوکریں کھاتے در در
سندیں چٹھیاں پروانے دکھاتے در در
چاپلوسی سے دل اک اک کا لبھاتے در در
ذائقہ نفس کو ذلت کا چکھاتے در در

تاکہ ذلت سے بسر کرنے کی عادت ہو جائے
نفس جس طرح بنے لائق خدمت ہو جائے

کوئی دفتر نہیں اور کوئی کچہری ایسی
کہ جہاں گزری ہو ایک آدھ نہ عرضی ان کی
سُنتے مشرق میں ہیں گر کوئی اسامی خالی
قافلے ہوتے ہیں مغرب سے اسی دم راہی

برسوں اس پر بھی گزر جاتے ہیں بے نیلِ مرام
کوئی آقا نہیں ملتا کہ بنیں اس کے غلام

تنگ ہوتے ہیں تو تقدیر کا کرتے ہیں گلہ
کبھی ٹھیراتے ہیں گردش کو زمانہ کی بُرا

کبھی سرکار کو کہتے ہیں کہ ہے بے پروا　　کبھی فرماتے ہیں یہ ہو کے مشیت سے خفا
وعدۂ رزق میں سُنتے تھے کہ ہوتی نہیں دیر　جلد۳
پھر جو نوکر نہیں ہوتے تو ہے یہ کیا اندھیر
جانتے ہیں کہ ہے جس رزق کا ہم سے وعدہ　　اس کا حیلہ نہیں یہاں کوئی غلامی کے سوا
اور در وا نہ ہوئے بند سب ان پر گویا　　اب فلک پر انھیں ملجا نہ زمیں پر ماویٰ
کام ہوتا کوئی اور ان سے سرانجام نہیں
جس طرح بیل کو جُتنے کے سوا کام نہیں

حالی

۳۲ - حصولِ معاش

جن کو منظور ہے مشکل کو نہ دشوار کریں　　چاہیے سعی و مشقت سے نہ وہ عار کریں
ہو میسر جنھیں وہ خدمتِ سرکار کریں　　ورنہ مزدوری و محنت سرِ بازار کریں
آبرو اس میں ہے شان اس میں ہے عزت اس میں
فخر اس میں ہے شرف اس میں شرافت اس میں
پیشہ سیکھیں کوئی فن سیکھیں صناعت سیکھیں　　کشتکاری کریں آئینِ فلاحت سیکھیں
گھر سے نکلیں کہیں آدابِ سیاحت سیکھیں　　الغرض مرد بنیں جرأت و ہمت سیکھیں

کہیں تسلیم کریں جا کے نہ آداب کریں
خود وسیلہ بنیں اور اپنی مدد آپ کریں

انبیا پیشہ پہ گزران سدا کرتے تھے اولیا خلق کی طاعت سے ابا کرتے تھے
خدمت جنس سے نفرت حکما کرتے تھے حاجتیں آپ ہی سب اپنی روا کرتے تھے

اپنے ہاتھوں سے ہر اک کام نبیڑا اپنا
کھینچ کر لے گئے خود موج سے بیڑا اپنا

کی ہے مردوں نے اسی طرح سے دنیا میں گزر ہوئی تکلیف سے یا چین سے اوقات بسر
نہ ہوئے غیر کے تا زیست کبھی دست نگر جب پڑی اپنے ہی بازو پہ پڑی جا کے نظر

گئے دل جمع یہاں سے کہ پریشان گئے
پر زمانہ کے نہ شرمندۂ احسان گئے

حالی

۳۳- علم کی قوت

کیا کوہساروں کو مسمار اس نے بنایا سمندر کو بازار اس نے
زمینوں کو منوایا دوار اس نے ثوابت کو ٹھیرایا سیار اس نے

لیا بھاپ سے کام کشتی کا

دیا پتلیوں کو سکت آدمی کا

یہ پتھر کا ایندھن ہی چلوانے والا جہازوں کو خشکی میں چلوانے والا

صداؤں کو سانچے میں ڈھلوانے والا زمیں کے خزانے اگلوانے والا

یہی برق کو نامہ بر ہے بناتا

یہی آدمی کو ہے بے پر اُڑاتا

تمدن کے ایواں کا معمار ہے یہ ترقی کے لشکر کا سالار ہے یہ

کہیں دستکاروں کا اوزار ہے یہ کہیں جنگ جویوں کا ہتیار ہے یہ

دکھایا ہی نیچا دلیروں کو اس نے

بنایا ہی روباہ شیروں کو اس نے

اسی کی ہے اب چار سو حکمرانی کیے اس نے زیر آرمنی اور یونانی

ہوئے رام دیوانِ ماز ندرانی گئے زابلی بھول سب پہلوانی

ہوا اس کی طاقت سے تسخیر عالم

پڑے سامنے اس کے آ جرکس نہ ولیم

یہ لاکھوں پہ ہی سیکڑوں کو چڑھاتا سواروں کو پیادوں سی ہی زک دلاتا

جہازوں سے ہی زورِ قوں کو بڑھاتا حصاروں کو ہی چٹکیوں میں اُڑاتا
ہوا کوئی حربوں سے اس کے نہ سپر
نہ ٹھہری زرہ اس کے آگے نہ بکتر

جنھوں نے بنایا اسے اپنا یاور ہراک راہ میں اس کو ٹھیرایا رہبر
یہ قول آج کل صادق آتا ہی ان پر کہ ایک نوع ہی نوعِ انساں سی برتر
الگ سب سے کام ان کے اور طور ہیں کچھ
اگر سب ہیں انساں تو وہ اور ہیں کچھ

کیا علم نے ان کو ہر فن میں یکتا نہ ہمسر رہا ان کا کوئی نہ ہمتا
ہراک چیز ان کی ہراک کام ان کا سمجھ بوجھ سے ہے زمانہ کی بالا
صنائع کو سب ان کے تکتے ہیں ایسے
عجائب ہیں قدرت کے حیراں ہوں جیسے

دئے علم نے کھول ان پر خزانے چھپے اور ظاہر نئے اور پرانے
دکھائے انھیں غیب کے مال خانے بتائے فتوحات کے سب ٹھکانے
ہوا جیسے چھائی ہی سب بحر و بر پر
وہ یوں چھا گئے خاور اور باختر پر حالی

جلد ۳

۴۳۔ جدید ترقیات

اے عزیزو! تم بھی ہو آخر بنی نوعِ بشر
غُل ہی کیا نوعِ بشر میں کچھ تمھیں بھی ہی خبر؟

کر رہا ہی خاک کا پُتلا وہ جوہر آشکار
ہو رہی ہی جس سے شانِ کبریائی جلوہ گر

رفتہ رفتہ یہ غبارِ ناتواں پہنچا ہی وہاں
طائرِ وہم و تصور کی جہاں جلتے ہیں پَر

اُس نے اِن کمزور ہاتھوں سی مسخر کر لیا
ابر و برق و باد سی تا بحر و بر و دشت و در

حق نے آدم کو خلافت اپنی جو کی تھی عطا
دے رہے ہیں اُس خلافت کی گواہی بحر و بر

تھا ارسطو اور فلاطوں کو بہت کچھ جن پہ ناز
ہو گئے تقویمِ پارینہ وہ سب علم و ہنر

کل کی تحقیقات نظروں سی اُتر جاتی ہی آج
بڑھ رہا ہی دمبدم یوں آج کل علمِ بشر

قوتِ ایجاد نے اب یہاں تلک پکڑا ہی زور
شام کی ایجاد ہو جاتی ہے باسی تا سحر

ساز و ساماں جو نہ تھے کل بادشاہوں کو نصیب
کوڑیوں کے مول بکتے پھرتے ہیں وہ دربدر

کہتے ہیں مغرب سے جب ہوگا برآمد آفتاب
عرصۂ آفاق میں ہو گی قیامت جلوہ گر

دوستو! شاید وہ نازک وقت آ پہنچا قریب
آ رہی ہی روشنی مغرب سے اِک اُٹھتی نظر

رَو ترقی کی چلی آتی ہے موجیں مارتی
اگلے وقتوں کے نشاں کرتی ہوئی زیر و زبر

دستکاری کو مٹاتی صنعتوں کو روندتی
علم و حکمت کی پرانی بستیاں کرتی کھنڈر

ہوشیاروں کو کرشمے اپنے دکھلاتی ہوئی
غافلوں کو موت کا پیغام پہنچاتی ہوئی

حالی

۳۵۔ علم کی ضرورت

گیا دورہ حکومت کا بس اب حکمت کی ہے باری
جہاں میں چار سو علم و عمل کی ہے عملداری
جنھیں دنیا میں رہنا ہے رہے معلوم یہ ان کو
کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری
ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صناعت میں
نہ چل سکتی ہے اب بے علم نجاری نہ معماری
جہاں علم تجارت میں نہ ماہر ہوں گے سوداگر
تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت گرم بازاری
نہ آئے گی پسند ان نوکروں کی خدمت و طاعت
جنھیں پائیں گے آقا زیور تعلیم سے عاری

جہاں تک دیکھیے تعلیم کی فرماں روائی ہے
جو سچ پوچھو تو نیچے علم ہے اوپر خدائی ہے

حالی

۳۶۔ ترکِ تعلیم کے نتائج

جنھوں نے کہ تعلیم کی قدر و قیمت
نہ جانی، مسلط ہوئی ان پہ ذلت

جلد ۳

ملوک اور سلاطیں نے کھوئی حکومت گھرانوں پہ چھائی امیروں کے نکبت
رہے خاندانی نہ عزت کے قابل
ہوئے سارے دعوے شرافت کے باطل
نہ چلتے ہیں وہاں کام کاری گروں کے نہ برکت ہے پیشہ میں پیشہ وروں کے
بگڑنے لگے کھیل سوداگروں کے ہوئے بند دروازے اکثر گھروں کے
کماتے تھے دولت جو دن رات بیٹھے
وہ ہیں اب دھرے ہاتھ پر ہاتھ بیٹھے
اگر اک پہننے کو ٹوپی بنائیں تو کپڑا وہ اک اور دنیا سے لائیں
جو سینے کو وہ ایک سوئی منگائیں تو مشرق سے مغرب میں لینے وہ جائیں
ہر اک شے میں غیروں کے محتاج ہیں وہ
ہم کینکس کی رو میں تاراج ہیں وہ
نہ پاس ان کے چادر نہ بستر ہے گھر کا نہ برتن ہیں گھر کے نہ زیور ہے گھر کا
نہ چاقو نہ قینچی نہ نشتر ہے گھر کا صراحی ہے گھر کی نہ ساغر ہے گھر کا
کنول مجلسوں میں قلم دفتروں میں
اثاثہ ہے سب عاریت کا گھروں میں

یہ ہیں ترکِ تعلیم کی سب سزائیں　　وہ کاش اب بھی غفلت سے باز آئیں
مبادا رہِ عافیت پھر نہ پائیں　　کہ ہیں بے پناہ آنے والی بلائیں

ہوا بڑھتی جاتی سرِ راہ گزر ہے
چراغوں کو فانوس بن اب خطر ہے

حالی

۳۷- ہمارے تعلیم یافتوں کا بخل

تربیت یافتہ ہیں جو یاں کے　　خواہ بی اے ہوں اس میں یا ایم اے
بھرتے حُبِّ وطن کا گو دم ہیں　　پر محبتِ وطن بہت کم ہیں
قوم کو ان سے جو اُمیدیں تھیں　　اب جو دیکھا تو سب غلط نکلیں
ہٹری ان کی اور جو گرفی　　سات پردوں میں مُنہ دُبے ہے پڑی
بند اس قفل میں ہے علم ان کا　　جس کی کنجی کا کچھ نہیں ہے پتا
لیتے ہیں اپنے دل ہی دل میں مزے　　گویا گونگے کا گُڑ ہیں کھائے ہوئے
کرتے پھرتے ہیں سیرِ گلِ تنہا　　کوئی پاس ان کے جا نہیں سکتا
اہلِ انصاف شرم کی جا ہے　　گر نہیں بخل یہ تو پھر کیا ہے

تم نے دیکھا ہی جو وہ سب کو دکھاؤ تم نے چکھا ہی جو وہ سب کو چکھاؤ
یہ جو دولت تمہاری پاس ہی آج ہموطن اس کے ہیں بہت محتاج
منہ کو اک اک تمہارے ہے تکتا کہ نکلتا ہی منہ سے آپ کے کیا
آپ شائستہ ہیں تو اپنے لیے کچھ سلوک اپنی قوم سے بھی کیے
قوم پر کرتے ہو اگر احسان تو دکھاؤ کچھ اپنا جوشِ نہاں
کچھ دنوں عیش میں خلل ڈالو پیٹ میں جو ہی سب اُگل ڈالو
علم کو کر دو کو بکو ارزاں
ہند کو کر دکھاؤ انگلستاں

حالی

۳۸۔ تضحیکِ قوم

سمجھتے ہیں شائستہ جو آپ کو یہاں ہیں آزادیِ رائے پر جو کہ نازاں
چلن پر ہیں جو قوم کے اپنی خنداں مسلماں ہیں سب جن کی نزدیک ناداں
جو ڈھونڈو گے یاروں کے ہمدردان میں
تو نکلیں گے تھوڑے جواں مردان میں

نہ رنج ان کے افلاس کا ان کو اصلا نہ فکر ان کی تعلیم اور تربیت کا
نہ کوشش کی ہمت نہ دینے کو پیسا اُڑانا مگر مفت ایک اک کا خاکا
کہیں ان کی پوشاک پر طعن کرنا
کہیں ان کی خوراک کو نام دھرنا
عزیزوں کی جس بات میں عیب پانا نشانا انھیں پھبتیوں کا بنانا
شماتت سے دل بھائیوں کا دکھانا یگانوں کو بیگانہ بن کر چڑانا
نہ کچھ درد کی چوٹ ان کے جگر میں
نہ قطرہ کوئی خون کا چشمِ تر میں
کوئی ان سے پوچھے کہ اے ہوش والو کس امید پر تم کھڑے ہنس رہے ہو
بُرا وقت بیڑے پہ آنے کو ہے جو نہ چھوڑے گا سوتوں کو اور جاگتوں کو
بچوگے نہ تم اور نہ ساتھی تمہارے
اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبیں گے سارے

حالی

۳۹۔ ہمدردِ قوم

ہے کوئی اپنی قوم کا ہمدرد نوعِ انساں کا جس کو سمجھیں فرد

قوم پر کوئی زد نہ دیکھ سکے — قوم کا حالِ بد نہ دیکھ سکے
قوم سے جان تک عزیز نہ ہو — قوم سے بڑھ کے کوئی چیز نہ ہو جلد ۳
سمجھے ان کی خوشی کو راحتِ جاں — واں جو نوروز ہو تو عید ہو یاں
رنج کو ان کے سمجھے مایۂ غم — واں اگر سوگ ہو تو یاں ماتم
بھول جائے سب اپنی قدرِ جلیل — دیکھ کر بھائیوں کو خوار و ذلیل

جب پڑے ان پہ گردشِ افلاک
اپنی آسائشوں پہ ڈال دے خاک

جو ہیں دنیا میں قوم کے ہمدرد — بندۂ قوم ان کے ہیں زن و مرد
باپ کی ہے دعا یہ بہرِ پسر — قوم کی میں بناؤں اس کو سپر
ماں خدا سے یہ مانگتی ہے مراد — قوم پر سے نثار ہو اولاد
بھائی آپس میں کرتے ہیں پیماں — تو اگر مال دے تو میں دوں جاں
اہلِ ہمت کما کے لاتے ہیں — ہموطن فائدے اٹھاتے ہیں
کہیں ہوتے ہیں مدرسے جاری — دخل اور خرچ جن کے ہیں بھاری
اور کہیں ہوتے ہیں کلب قائم — مبحثِ حکمت و ادب قائم
کہیں مجلس میں ہوتی ہے تقریر — کہیں مضمون ہوتے ہیں تحریر

ایک ناٹک بنا کے لاتا ہے — دوسرا اس کو کر دکھاتا ہے

نت نئے کھلتے ہیں دواخانے — بنتے ہیں سینکڑوں شفاخانے

ہیں سدا اس اُدھیڑ بُن میں طبیب — کہ کوئی نسخہ ہاتھ آئے عجیب

قوم کو پہنچے منفعت جس سے — ملک میں پھیلیں فائدے جس سے

قوم کی خاطر ان کے ہیں سب کام — خواہ ان میں سفر ہو خواہ مقام

سینکڑوں گل رُخ اور مہ پارے — لاڈلے ماں کے باپ کے پیارے

جان اپنی لیے ہتھیلی پر — کرتے پھرتے ہیں بحر و بر کے سفر

شوق یہ ہے کہ جان جائے تو جائے — پر کوئی بات کام کی ہاتھ آئے

جس سے مشکل ہو کوئی قوم کی حل — ملک کا آئے کوئی کام نکل

کھپ گئے کتنے بن کے جھاڑوں میں — مر گئے سینکڑوں پہاڑوں میں

لکھے جب تک جیے سفر نامے — چل دیے ہاتھ میں قلم تھامے

گو سفر میں اُٹھائے رنج کمال — کر دیا پر وطن کو اپنے نہال

ہیں اب ان کے گواہ حُبِ وطن — در و دیوار پیرس و لندن

کہئے دُنیا کا جس کو باغِ جناں
ہے فرانس آج یا ہے انگلستاں — حالی

۲۸. غمگساریِ قوم

جلد ۳

جنھیں ملک میں اپنی رکھنی ہو وقعت جنھیں سلطنت کی ہو مطلوب قربت
جنھیں تھامنی ہو گھرانے کی عزت جنھیں دین کی ہو نہ منظور ذلّت
جنھیں نسل و اولاد ہو اپنی پیاری
انھیں فرض ہے قوم کی غمگساری

بہت دل ہیں نرم اِن دِنوں ہوتے جاتے کہ حالت یہ ہیں قوم کی اُمڈے آتے
تنزل پہ ہیں اس کے آنسو بہاتے نہیں آپ کچھ کر کے لیکن دکھاتے
خبر بھی ہے دل ان کے جلتے ہیں کس پر
وہ ہیں آپ ہی ہاتھ ملتے ہیں جس پر

رئیسوں کی جاگیرداروں کی دولت فقیہوں کی دانشوروں کی فضیلت
بزرگوں کی اور واعظوں کی نصیحت ادیبوں کی اور شاعروں کی فصاحت
جچے تب کچھ آنکھوں میں اہلِ وطن کی
جو کام آئے بہبود میں انجمن کی

جماعت کی عزت میں ہے سب کی عزت جماعت کی ذلّت میں ہے سب کی ذلّت

رہی ہے نہ ہرگز رہے گی سلامت   نہ شخصی بزرگی نہ شخصی حکومت

وہی شاخ پھولے گی یاں اور پھلے گی
ہری ہو گی جڑ اس گلستاں میں جس کی

ذخیرہ ہے جب چیونٹا کوئی پاتا   تو بھاگا جماعت میں ہے اپنی آتا
انھیں ساتھ لے لیکے ہی یہاں سے جاتا   فتوح اپنی ایک ایک کو ہے دکھاتا
سدا ان کے ہیں اس طرح کام چلتے
کمائی سے ایک اک کے ہیں لاکھ پلتے

جب اک چیونٹا جس میں نہ دانش نہ حکمت   بنی نوع کی اپنے برلائے حاجت
معیشت سے ایک اک کو بخشے فراغت   کرے ان پہ وقف اپنی ساری غنیمت
تو اس سے زیادہ ہے بے عزتی کیا
کہ ہو آدمی کو نہ پاس آدمی کا

غضب ہے کہ جو نوع ہو سب سے برتر   گنے آپ کو جو کہ عالم کا سرور
فرشتوں سے جو سمجھے اپنے کو برتر   خدا کا بنے جو کہ دنیا میں مظہر
نہ ہو فردمی کا نشان اس میں اتنا
مسلّم ہے مٹی کے کیڑوں میں جتنا

حالی

جلد۳

۴۱۔ برکتِ اتفاق

دانوں کو دیتا ہوں میں خرمن بنا
قطروں سے دیتا ہوں میں دریا بہا

ڈھیلوں سے چُنتا ہوں حصارِ حصیں
ریشوں کو کر دیتا ہوں حبل المتیں

ملک ہیں آباد مری ذات سے
یُمن ہے اک میری کرامات سے

میرا ہے جس ملک میں جاری عمل
واں کبھی آنے نہیں پاتا خلل

میری تصرف میں ہے جو سرزمیں
واں کوئی بیکس کوئی تنہا نہیں

ایک ہے زخمی تو ہیں سب دلفگار
ایک ہے مظلوم تو حامی ہزار

ایک کو گر دیکھتے ہیں مضطرب
پیٹ کو پکڑے ہوئے پھرتے ہیں سب

آگ اگر گھر میں لگی ایک کے
قوم میں گھر گھر دھوئیں اُٹھنے لگے

کُل کی مصیبت میں ہیں کُل مُبتلا
ایک پر آتی نہیں کوئی بلا

ضعف دباتا نہیں ان کو کبھی
رکھتے ہیں کمزور بھی واں دل قوی

غم نہیں افلاس کا مفلس کو واں
ایک کا افلاس ہے سب پر گراں

ایک کی خواری سے ہیں نادم ہزار
ایک ہے رُسوا تو ہیں سب شرمسار

ایک کی عزت ہو تو نازاں ہیں سب
ایک ہو گر شاہ تو سلطاں ہیں سب

حالی

جلد ۳

۴۲۔ برٹش راج

بہت ہی عمدہ ہے اے ہمنشین برٹش راج
کہ ہر طرح کے ضوابط بھی ہیں اصول بھی ہے

جو چاہے کھول لے دروازۂ عدالت کو
کہ تیل پیچ میں ہے ڈھیلی اس کی چول بھی ہے

نگاہ کرتے ہیں حاکم بہت تعمق سے
تمہاری عرض میں گو کچھ زیادہ طول بھی ہے

خلل نہ شغل میں بدھو کے ہے نہ حُسو کے
کہ شیخ سدو بھی ہیں اور قدم رسول بھی ہے

عطا ہوئی ہے یہ اسپیکروں کو آزادی
کہ حاکموں میں ہے قال تو یہاں اقول بھی ہے

محل صل علیٰ ڈاک و تار کی ہے روش
اگرچہ دل میں نہاں عظمتِ رسول بھی ہے

جگہ بھی ملتی ہے کونسل میں آنریبل کی
جو التماس ہو عمدہ تو وہ قبول بھی ہے

طرح طرح کے بنا لو لباسِ رنگارنگ
علاوہ روئی کے ریشم بھی اور وول بھی ہے

چمک دمک کی وہ چیزیں ہیں ہر طرف پھیلی
کہ آنکھ محو ہے خاطر اگر مُلول بھی ہے

اندھیری رات میں جنگل میں ہے عیان الجن
کہ جس کو دیکھ کے حیران چشم غول بھی ہے

شگفتہ پارک ہیں ہر طرف رہروں کے لئے
نظر نواز ہے پتی حسین پھول بھی ہے

جب اتنی نعمتیں موجود ہیں یہاں اکبر
تو حرج کیا ہے جو ساتھ اُس کے ڈیم فول بھی ہے

اکبر

جلد ۳

۴۳ سیاسیات

گولیوں کے زور سے کرتے ہیں وہ دنیا کو ہضم
اس سے بہتر اس غذا کے واسطے چورن نہیں

جو خردمند ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں یہ بات
خیر خواہی وہ نہیں کہ جو ہو ڈر سے پیدا

دست گلچیں پھر رہا ہے شاخ گل پر بید ریغ
کون سنتا ہے چمن میں عندلیبِ زار کی

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمہ پہ شاد ہے
صیّاد مطمئن ہے کہ کانٹا نکل گئی

یہ طرز احسان کرنے کا تمہیں کو زیب دیتا ہے
مرض میں مبتلا کر کے مریضوں کو دوا دینا

کرتے ہیں بتدریج وہ ظلموں میں اضافہ — مجھ پر اگر ان کا ہے کچھ احساں تو یہی ہے

قتل سے پہلے ہی کلورافارم — شکر ہے ان کی مہربانی کا

عمر زنداں میں کٹی شوقِ رہائی رخصت — ہو گیا انس مرے پاؤں کو زنجیر کے ساتھ

مَس ہوائے باغ کا ہے اب پروں کو ناگوار — اتنا خوگر ہو گیا ہوں پنجۂ صیّاد کا

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا — طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

تڑپو گے جتنا جال کے اندر — جال گھُسے گا کھال کے اندر

اس قدر تھا کھٹملوں کا چارپائی میں ہجوم — وصل کا دل سے مرے ارمان رخصت ہو گیا

ضعفِ مشرق نے تو رکھا پاؤں کو جکڑا ہوا — مغربی فقروں نے لیکن منہ کو آہن کر دیا

جو دیکھی ہسٹری اس بات پر کامل یقیں آیا
اسے جینا نہیں آیا جسے مرنا نہیں آیا

تو ارے کے اُٹھتا ہی ہر طالب فروغ
دورِ فلک میں ہیں یہ اشارے ہلال کے

اکبر

۴۴۔ مشرق و مغرب

مشرقی میں کشش ہے روحانی
مغربی میں ہے میلِ جسمانی

کہا منصور نے خدا ہوں میں
ڈارون بولے بوزنا ہوں میں

ہنسکے کہنے لگے مرے اک دوست
فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

بھولتا جاتا ہے یورپ آسمانی باپ کو
بس خدا سمجھا ہے اس نے برق کو اور بھاپ کو

برق گر جائیگی اک دن اور اُڑ جائیگی بھاپ
دیکھنا اکبر بچائے رکھنا اپنے آپ کو

ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے
کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی

ابھی بدات ایشیا غفلت میں سوتی
نظر یورپ کی کام اپنا کیا کی

اجسام کے فنون کا کرتے ہیں خود عمل — اجرام کے علوم کا دیتے ہیں ہم کو درس
ہوتا ہوں معترض تو وہ کہتے ہیں واہ وا — میں نے تو کر دیا ترا رتبہ بلند تر

از صحن خانہ تا بلب بام از آنِ من
وز بامِ خانہ تا بہ ثریا از آنِ تو

خود فنِ حرب سیکھ رہے ہیں پرے پرے — میرے لیے چمن میں شٹل کاک کا ہے کھیل
اظہار ناخوشی پہ وہ فرماتے ہیں کہ دیکھ — تیرا ہی مشغلہ ہے بہت صاف بے ضرر

آن اشتر ضعیف و لگد زن از آنِ من
واں گربۂ مصاحبِ بابا از آنِ تو

تخت کے قابض وہی دیہیم ان کے ہاتھ میں — ملک ان کا رزق کی تقسیم ان کے ہاتھ میں
برق کی صورت پہنچتا ہے طبائع پر اثر — آگیا تار امید و بیم ان کے ہاتھ میں
ہم کو سایہ پر جنوں وہ دھوپ میں مصروف کار — مس پہ ہے اپنی نظر اور سیم ان کے ہاتھ میں
صبر باقی ہے نہ ہم میں باہمی اعزاز ہے — سب کی ہے تذلیل اور تعظیم ان کے ہاتھ میں
شیخ کی جانب کوئی جاتا نہیں کہتے ہیں سب — ہے فقط اب کوثر و تسنیم ان کے ہاتھ میں
مغربی رنگ و روش پر کیوں نہ آئیں اب قلوب — قوم ان کے ہاتھ میں تعلیم ان کے ہاتھ میں
زنج بنا کر اچھے اچھوں کا لبھا لیتے ہیں دل — ہیں نہایت خوشنما دو جیم ان کے ہاتھ میں

جلد۳

مغرب ایسا ہی رہا اور ہے اگر مشرق یہیں
ایک دن دیکھینگے ہفت اقلیم ان کے ہاتھ میں

مشرقی تو سرِ دشمن کو کچل دیتے ہیں   مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانہ نے تمہیں
مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

اکبر

۴۵۔ نکات

نکتہ یہ سُنا ہی ایک بنگالی سے   کرنا ہو بسر جو تم کو خوشحالی سے
خالی ہو جگہ تو اپنے بھائی کو لاؤ   غصّہ آئے تو کام لو گالی سے

یورپ والے جو چاہیں دل میں بھر دیں   جس کے سر پہ جو چاہیں تہمت دھر دیں
بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبرؔ   تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دیں

ہیں گھیرے ہوئے ہیں ہر طرف اصلاح کی موجیں   مگر یہ حس نہیں ہے ڈوبتے ہیں یا ابھرتے ہیں

درایہ شعر اگر ایک دفتر ہے معانی کا
کوئی سمجھے نہ سمجھے ہم تو سب کچھ کہہ گزرتے ہیں

جلد ۳
رفت دنبال ڈارون آں شوخ
بوزنہ ماندہ آدمی گم شد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پیٔ نیکاں گرفت و مردم شد

تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی
چاہی تھی شے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانیں آخر
پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا
حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے
شاہ اڈورڈ کی دہائی ہے

شیطاں نے دیا یہ شیخ جی کو نوٹس
بالکل ہی گیا ہے رو راب آپکا ٹوٹ
آئندہ پڑینگے آپ لاحول اگر
فوراً داغوں گا اک فیمیشن سوٹ

وہ لطف اب ہندو مسلمان میں کہاں
اغیار ان پر گزرتے ہیں خندہ زناں

جھگڑا کبھی گائے کا زباں کی کبھی عبث　　ہی سخت مضر یہ نسخۂ گاؤ زبان

گورمنٹ کی خیر یارو مناؤ　　گلے میں جو اتریں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر　　انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

پیتا ہوں شراب آبِ زمزم کے ساتھ　　رکھتا ہوں اک اونٹنی بھی ٹم ٹم کے ساتھ
ہے عشقِ حقیقی و مجازی دونوں　　قوال کی بھی صدا ہی چھم چھم کے ساتھ

زمانِ حال میں اگلے فسانے امر ماضی ہیں　　جو تلواریں چلاتی تھی وہ اب بیٹھ کر یہ راضی ہیں
شراب اڑتی ہی پبلک میں رواہی خون تقوے کا　　مزا ہے اب تو رندوں کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

اکبر

---

۴۶ طرزِ عمل

آبرو چاہو اگر - انگریز سے ڈرتے رہو　　ناک رکھتے ہو تو تیغِ تیز سے ڈرتے رہو

لطف چاہو اک بتِ نوخیز کو راضی کرو — نوکری چاہو کسی انگریز کو راضی کرو
لیڈری چاہو تو نفعِ قوم ہی ہماں نواز — گپ نویسوں کو اور اہلِ میز کو راضی کرو
طاعتِ امن و سکوں کا دل کو لیکن ہو جو شوق — صبر پر طبعِ ہوس انگیز کو راضی کرو

جلد ۳

جب اپنے ہاتھ میں لی غیر نے عنانِ سمند — تو پھر سوار سے اکبرؔ پیادہ پا اچھا

ہر عمل تیرا ہے اکبرؔ تابعِ عزمِ حریف — جب یہ موقع ہو تو بھائی کچھ نہ کرنا چاہیے

تریکِ بیکسی بود دل تراباہمدماں اکبرؔ — ازاں بہتر کہ در بزمِ حریفاں شادماں باشی

کامیابی خارج از ملت سے ناکامی بھلی — لطفِ دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی
بیوفا سمجھیں تمھیں اہلِ حرم۔ اس سے بچو — دیر والے کج ادا کہدیں یہ بدنامی بھلی
چشمِ غفلت کی ہی دنیاوی نتائج پر نظر — دیدۂ تحقیق میں دینی خوش انجامی بھلی

پختہ ہو کر اپنی شاخِ دیں سے ہوتا ہی جدا
اے ثمرِ خشیم محبت میں تری خامی بھلی

دسترس صید پہ حاصل تجھے ہو خواہ نہو — شیر ہی ہنکے نکل صورت رد باہ نہو

اک فلسفہ ہی تیغ کا ادراک سکوت کا — باقی جو ہی وہ تار ہے بس عنکبوت کا

اسیر محبت کب باغیرت و ذی ہوش رہتی ہیں — مٹا دیتے ہی مٹ جاتے ہیں یا خاموش رہتے ہیں

معانی گرم رکھتے ہیں جنھیں اللہ اکبر کے — انھیں سینوں میں اے اکبر دل پرجوش رہتے ہیں

بہ چشم غور دیکھو بلبل و پروانہ کی حالت — یہ اپنے جی دیا کرتی ہی اور وہ جان دیتا ہی

یہ پھنستی ہی قفس میں اور اس کا نام روشن ہی — ہوا پر خیمہ معنی کو اکبر تان دیتا ہی

تو وضع پہ اپنی قائم رہ قدرت کی مگر تحقیر نہ کر — دے پائے نظر کو آزادی خودبینی کو زنجیر نہ کر

گو تیرا عمل محدود رہی اور اپنی ہی حد مقصود رہی — رکھہ ذہن کو ساتھی فطرت کا بند اس پہ در تاثیر نہ کر

باطن میں ابھر کر ضبط فغاں لے اپنی نظر سے کار زباں — دل جوش میں لا فریاد نہ کر تاثیر دکھا تقریر نہ کر

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنی تب کام چلے

ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھہ تعمیر نہ کر

جلد ۳

۴۷۔ سیاست

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح — وہاں پانوں جمانے کیلئے تفرقہ ڈالو
اور عقل خلاف اس کے یہ تھی مشورہ دیتی — یہ حرف سبک بھول کے منہ سے نہ نکالو
پر رائے نے فرمایا کہ جو کہتی ہے تدبیر — مانو اسے۔ اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو لیکن
جو بات سبک ہو اسے منہ سے نہ نکالو

حالی

۴۸۔ قانون

کہتے ہیں ہر فرد انساں پر ہے فرض — ماننا قانون کا بعد از خدا
پر جو سچ پوچھو نہیں قانوں ہیں — جان کچھ مکڑی کے جالے سے سوا
اس میں پھنس جاتے ہیں جو کمزور ہیں — اور ہلا سکتے نہیں کچھ دست و پا
پر اسے دیتے ہیں توڑ اک آن میں — جو سکت رکھتے ہیں ہاتھوں میں ذرا
حق میں کمزوروں کے ہے قانون وہ
اور نظر میں زورمندوں کے ہے لا

حالی

۴۹۔ نجاتِ ہند

اے کہ نجاتِ ہند کی دل سے ہے تجھ کو آرزو | ہمتِ سربلند سے یاس کا انسداد کر
قول کو زید و عمر کے حد سے سوا اہم نہ جان | روشنئ ضمیر یا عقل سے اجتہاد کر
حق سے بعذرِ مصلحتِ وقت یہ جو کری گریز | اس کو نہ پیشوا سمجھ۔ اس پہ نہ اعتماد کر
خدمتِ اہلِ جور کو کر نہ قبول زینہار | فن و ہنر کے زور سے عیش کو خانہ زاد کر

غیر کی جد و جہد پر تکیہ نہ کر کہ ہے گناہ
کوششِ ذاتِ خاص پر ناز کر اعتماد کر

حسرت

۵۰۔ تازہ واردات

دینِ خدا ہے حق کی تجلّی کے واسطے | دُنیا اُٹھی ہے اپنی تعلّی کے واسطے

عارف جو ہیں رہیں گے وہ اللہ ہی کے ساتھ
اللہ ہی ہے ان کی تسلّی کے واسطے

خطراس میں ہی جن باتوں پہ سچ ہے | یہ رنگ ملک۔ یہ حالات ہی ہے

نہ مولانا نے لغزش کی نہ سازش کی ہے گاندھی نے

چلایا ایک رخ دونوں کو ہے مغرب کی آندھی نے جلد ۳

نئی روشنی کا ہوا اتصل کم حکومت نے اس سے کیا میل کم
ادھر مولوی کس مپرسی میں تھے نہ آفس میں تھے اور نہ کرسی میں تھے
یہ ٹھیری کہ آپس میں مل جائیے سیاسی کمیٹی میں مل جائیے
اسی میل کا ان دنوں ہے ظہور
خدا جانے ظلمت ہے یہ یا کہ نور

گائے کا کچھ تو ٹھکانا بھائی گاندھی کیا کیا شیخ جی کا اونٹ کس کل بیٹھتا ہے دیکھیے
بدھو میاں بھی حضرت گاندھی کے ساتھ ہیں اک مشت خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

سینہ میں دل آگاہ جو ہو کچھ غم نہ کرو ناشاد سہی
بیدار تو ہے مشغول تو ہے نغمہ نہ سہی فریاد سہی

ہر چند بگولہ مضطر ہے اک جوش تو اس کے اندر ہے
اک وجد تو ہے اک رقص تو ہے بےچین سہی برباد سہی

اکبر

۵۱۔ جدید معاشرت

جنبہ ۳

چاہا جو میں نے ان سے طریق عمل پہ وعظ | بولے کہ نظمِ ذیل کو ارقام کیجیے
پیدا ہوئے ہیں ہند میں اس عہد میں جو آپ | خالق کا شکر کیجیے آرام کیجیے
بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم | تحصیل ان کی بھی سحر و شام کیجیے
یورپ میں پھریئے پیرس و لندن کو دیکھیے | تحقیق ملک کا شغر و شام کیجیے
ہو جائیے طریقۂ مغرب پہ مطمئن | خاطر سے محو خطرۂ انجام کیجیے
پیرانِ بے فروغ کا گُل ہو چکا چراغ | ناحق نہ دل کو تابعِ ادہام کیجیے
رکھیے نہ دل کو دیر و کلیسا سے منحرف | متروک قید جامۂ احرام کیجیے
الفاظ کفر و فسق کو بس بھول جائیے | ہر ملّت و طریق کا اکرام کیجیے
رہیے جہاں میں صلح کی مشرب سے نیکنام | مجھکو مرید ہندوؤں کو رام کیجیے
رکھیے نمود و شہرت و اعزاز پر نظر | دولت کو صرف کیجیے اور نام کیجیے
سامان جمع کیجیے کوٹھی بنائیے | با صد خلوص دعوتِ حکام کیجیے
آرائشوں سے گھر کو مہذب بنائیے | تزئین طاق و سقف و در و بام کیجیے
یاران ہم مذاق سے ہم بزم ہو جیے | موقع ملے تو شغل مَی و جام کیجیے

نظارۂ مساں سے تر و تازہ رکھئے آنکھ | تفریح پارک میں سحر و شام کیجئے
مذہب کا نام لیجیے عاقل نہ ہوجیے | جو متفق نہ ہو اسے بدنام کیجیے
طرزِ قدیم پر جو نظر آئیں مولوی | پبلک میں ان کو موردِ الزام کیجیے
قومی ترقیوں کے مشاغل بھی ہیں ضرور | اس مد میں بھی ضرور کوئی کام کیجیے
لڑکے نہ ہوں تو ہو نہیں سکتی چہل پہل | فکریں پئے وظیفہ و انعام کیجیے
تحصیل چندہ کیجیے لڑکوں کو بھیجکر | سارا علاقہ ہند کا اب خام کیجیے
بے رونقی سے کاٹئے کیوں اپنی عمر کو | کیوں انتظارِ گردشِ ایام کیجیے

لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے
مُردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجیے

اکبر

۵۲۔ نئے مشاغل

کوئی کہتا ہے رکھو صاحب سے میل | کہ آخر کی گھر میں رہے ریل پیل
کسی کی صدا ہے کہ ہندو بھلے | مری انجمن بھی اسی رُخ سے چلے
کسی سمت کونسل کی ہے دل میں چوٹ | عوض لٹھ کے آپس میں علیحدہ ہیں ووٹ

کسی سر میں ہے لیڈری کی ہوس — کوئی شہد اسپیچ کی ہے مگس
کوئی شوق تحقیق میں غرق ہے — کوئی راہ تقلید میں برق ہے
کسی کو ہے مضموں نگاری کی دھن — کوئی چندہ دینے کو سمجھا ہے پن
کسی کو عمارت بنانے کا شوق — کسی کو نمود و نمائش کا ذوق
کسی کو کوئی ٹوک سکتا نہیں — سٹرک کو کوئی روک سکتا نہیں
جدھر بحر ہستی بہائے بہیں — خدا سے دعا ہے کہ سب خوش رہیں
مگر پند سعدی کی ہے ایک بات — مسلماں کو بھی فرض ادھر التفات

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اکبر

۵۳۔ کشا کش

مسانِ خود فروش آخر فرستادند این لہا — طلب کردند زر چنداں کہ خوں اُفتاد در دلہا
نشاطِ طبع برہم شد شکست آں رنگِ محفلہا — الا یا ایہا الساقی ادرکاساً وناولہا
کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

ادھر بے علم دیں ہے نور ایماں قلب سے زائل | ادھر کالج کا بیڑا پار کرنے پر ہی دل مائل
ادھر ہے نوکری دشوار چکر میں ہی ہر سائل | شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل

کجا دانند حالِ ما سبکساران ساحلہا

نہ قیدِ شرع باقی ہے نہ آزادی کی ہے کچھ حد | نہیں کچھ گفتگو اس باب میں نیک ہے یا بد
بزرگوں کا بھی فتویٰ ہے کہ پڑھ قانونِ سرسید | بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید

کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

کہاں کی بیش بینی جب طبیعت ہی نہ تھی حاضر | مقیمِ دہر تھے دلچسپ تھی بزمِ بتِ کافر
نہ تھا کچھ پاس ایماں دل کی تھی مدِ نظر خاطر | ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

جو ہونا چاہتا ہے بدر پہنچا ماہ تو حافظ | نہ کر آرام رہ راہِ طلب میں تیز رو حافظ
لگائے رہ اسی سے رات دن تو اپنی لو حافظ | حضوری گر ہمی خواہی از و غافل مشو حافظ

مَتٰی مَا تَلْقَ مَنْ تَھْوٰی دَعِ الدُّنْیَا وَاَھْمِلْھَا

اکبر

۵۴ مستقبل

یہ موجودہ طریقے راہیٔ ملکِ عدم ہونگے | نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہونگے

نئے عنوان سے زینت دکھائینگے حسیں اپنی — نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہونگے
نہ خاتونوں میں رہ جائیگی پردے کی یہ پابندی — نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجبِ روئے صنم ہونگے
بدل جائیگا انداز طبائع دورِ گردوں سے — نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسبابِ غم ہونگے
خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیلِ موسم کی — کھلیں گے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہونگے
عقائد پر قیامت آئیگی ترمیمِ ملت سے — نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہونگے
بہت ہونگے مغنی نغمۂ تقلیدِ یورپ کے — مگر بے جوڑ ہونگے اس لیے بے تال سم ہونگے
ہماری اصطلاحوں سے زباں ناآشنا ہوگی — لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہونگے
بدل جائیگا معیارِ شرافت چشمِ دنیا میں — زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہونگے
گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائینگے — کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہونگے
کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا — ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہونگے

تمھیں اس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبر
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکے گا جو رو رہا ہے وہ رو چکے گا
سکون دل سے خدا خدا کر جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا

فلک جلنے ظالمانہ چالیں مچائے اندھیر جتنا چاہے
زمانہ لے ہی گا کوئی کروٹ نصیب بیکس کا سو چکے گا جلد ۳
ہماری منزل کا ہے وہ دشمن ہماری راہیں بگاڑتا ہے
کھلیں گے کچھ قدرتی شگوفے جب اپنے کانٹے وہ بو چکے گا
مراد اکبر بتان کافر سے مل ہی جائیگی شاید اک دن
مراد ملنے سے پہلے لیکن یہ امتیاز اپنا کھو چکے گا

اکبر

۵۵- غمِ ملّت

وہ ہوا نہ رہی وہ چمن نہ رہا۔ وہ گلی نہ رہی وہ حسیں نہ رہے
وہ فلک نہ رہا وہ سماں نہ رہا۔ وہ مکاں نہ رہا وہ مکیں نہ رہے
نہ گلوں میں گلوں کی سی بُو وہ رہی نہ عزیزوں میں لطف کی خُو وہ رہی
نہ حسینوں میں رنگِ وفا وہ رہا۔ کہیں اَور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے
نہ وہ آن رہی نہ اُمنگ رہی۔ نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی
سوئے قبلہ نگاہوں کے رُخ نہ رہے در دیر پہ نقش جبیں نہ رہے

نہ وہ جام رہے نہ وہ مست رہی نہ فدائے عہدِ الست رہے
وہ طریقۂ کارِ جہاں نہ رہا۔ وہ مشاغلِ رونق دیں نہ رہے
ہمیں لاکھ زمانہ لُبھائے تو کیا نئے رنگ جو چرخ دکھائے تو کیا
یہ محال ہی اہلِ وفا کے لیے غمِ ملت و اُلفتِ دین نہ رہی

اکبر

۵۶ - رجوعِ عامہ

خدا کے منکر نبی سے غافل کہاں کے پیر اور امام صاحب
انہیں کے در پر جھکی ہے خلقت سلام صاحب سلام صاحب
کہاں کی پوجا نماز کیسی کہاں کی گنگا کہاں کا زمزم
ڈٹا ہی ہوٹل کے در پہ ہر اک۔ ہمیں بھی دو ایک جام صاحب
ہزار سمجھاتے ہیں وہ سب کو کہ سب نہیں نامدار ہوتے
کرو خموشی و نیکبختی سے جاکے تم گھر کا کام صاحب
مگر نہیں مانتا ہے کوئی ہر اک کی یہ التجا ہے ان سے
مجھے بھی تم چھاپ دو کہیں پر ذرا بھی ہو جائے نام صاحب

مری تمہاری نہیں نبھے گی سدھارتا ہوں میں اب یہاں سے
سلام صاحب۔ سلام صاحب۔ سلام صاحب سلام صاحب

سدھارے شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھینگے
وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھینگے

حینان عدوے اتقا کا سامنا ہوگا
میں دیکھونگا انھیں اور میرا ایمان دیکھینگے

جوانوں کو ذرا پروا نہیں ہے اعتدالی کی
بڑھاپے میں نتیجے اس کے یہ نادان دیکھینگے

تری دیوانگی پر رحم آتا ہے ہمیں اکبر
کوئی دن وہ بھی ہوگا ہم تجھے انسان دیکھینگے

اکبر

۵۷۔ ہماری حالت

ہوائے الحاد رنگِ ملّت کو ہر روش پر بدل رہی ہے
جو بات بگڑی ہے بنے وہ کیونکر؟ جو چل گئی ہے وہ چل رہی ہے

ہمیں نے دراس ہوا پہ کھولا کیا اُسے چُپ جو کوئی بولا
ہمیں ہے خود اب تردد اس کا طبیعت اب ہاتھ مل رہی ہے

نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے۔ نہ عزتِ قوم پر نظر ہے
سر دلوں میں سودا سما رہا ہے۔ دلوں سے غیرت نکل رہی ہے

جو پیشوا خود ہوں رند مشرب تو کیا جمے رنگِ وعظ مذہب
جلد ۳ قلوب شیطاں کے متبع ہیں۔ زبانِ قرآں پہ چل رہی ہے
کرو سمجھیں باخبر ہیں ہر جا نہیں ہیں چرچوں میں اس کا چرچا
ہمیں نے سمجھا ہے مہد اِس کو اسی میں اب نسل پل رہی ہے

جو قوم ہمسایہ ہے ہماری نہیں ہے اُس پر بلا یہ طاری
ہم اپنی مستی میں گر رہے ہیں وہ ہوش میں ہے سنبھل رہی ہے
ہم اپنی صورت بگاڑتے ہیں۔ بنا رہی ہے وہ اپنے گھر کو
ہم اپنا نقشہ مٹا رہے ہیں وہ اپنے سانچے میں ڈھل رہی ہے
خدا کی ساعت ہیں یاں کی صدیاں چھپی نہیں ہیں ہماری بدیاں
بلائیں آئیں اور آرہی ہیں۔ کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

زبانِ اکبر میں کب یہ قدرت کہ کہہ سکے رازِ سوزِ حسرت!
وہ شمع اس کو بیاں کرے گی جو گورِ سید پہ جل رہی ہے

اکبر

۵۸۔ غفلت کی گھٹا

گلشن میں فصلِ گُل کے سب مِٹ چکے نشاں ہیں
پر چین سے عنادل گلشن میں نغمہ خواں ہیں
طاؤس و کبک خوش خوش گلشن میں ہیں خراماں
اور بیٹھے ہاتھ ملتے گلچین و باغباں ہیں
غفلت کی چھا رہی ہے کچھ قوم پر گھٹا سی
بے فکر و بے خبر ہیں بوڑھے ہیں یا جواں ہیں
اتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخلف ہیں
رستہ کدھر ہے اُن کا اور جا رہے کہاں ہیں
فضل و کمال اُن کے کچھ تم میں ہوں تو جانیں
گر یہ نہیں تو بابا! وہ سب کہانیاں ہیں
کھیتوں کو دے لو پانی۔ اب بہ رہی ہے گنگا!
کچھ کر لو نوجوانو! اُٹھتی جوانیاں ہیں
تم سے تھمے تو تھامو اعزّت کو قوم کی کچھ
اپنے تو قافلے سب پا در رکاب یہاں ہیں

اِک خضرِ رہ نے رستہ سیدھا بتا دیا ہے
رستے پہ دیکھیں چلتے اب کتنے کارواں ہیں

دُنیا میں گر ہے رہنا تو آپ کو سنبھالو!
ورنہ بگڑنے کے یہاں آثار سب عیاں ہیں

عرصہ ہُوا کہ ہم کو آنکھیں دکھا رہے ہیں
قدرت کے قاعدے جو دُنیا پہ حکمراں ہیں

جو اپنے ضعف کا کچھ کرتی نہیں تدارک
قومیں وُہ چند روزہ دُنیا میں میہماں ہیں

حالی

۵۹- تغیرِ عظیم

جب یاس ہوئی تو آہوں نے سینے سے نکلنا چھوڑ دیا
اب خُشک مزاج آنکھیں بھی ہوئیں دل نے بھی مچلنا چھوڑ دیا

ناوک فگنی سے ظالم کی جنگل میں ہے اِک سنّاٹا سا
مُرغانِ خوش الحال ہو گئے چُپ آہو نے اُچھلنا چھوڑ دیا

کیوں کبر و غرور اس دور پہ ہے - کیوں دوست فلک کو سمجھا ہے؟
گردش سے یہ اپنی باز آیا یا رنگ بدلنا چھوڑ دیا؟ جلد ۳

بدلی وہ ہوا گذرا وہ سماں - وہ راہ نہیں وہ لوگ نہیں
تفریح کہاں اور سیر کجا - گھر سے بھی نکلنا چھوڑ دیا

وہ سوز گداز اس محفل میں باقی نہ رہا اندھیر ہوا
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا - شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا

ہر گام پہ چند آنکھیں نگراں - ہر موڑ پہ اک لیسنس طلب
اس پارک میں آخر اے اکبر! میں نے تو ٹہلنا چھوڑ دیا

کیا ذہن کو قوت دیں یہ جواں - جب حوصلہ افزا کوئی نہیں
کیا ہوش سنبھالیں یہ لڑکے خود اس نے سنبھلنا چھوڑ دیا

اقبال مساعد جب نہ رہا رکھے یہ قدم جس منزل میں
اشجار سے سایہ دور ہوا چشموں نے ابلنا چھوڑ دیا

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ میں چلنا چھوڑ دیا

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا تھا
جلد۳
جب صرصرِ عصیاں چلنے لگی۔ اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

اکبر

۶۰۔ انقلابِ زمانہ

نہ عیشِ کیخسروی رہے گا نہ صولتِ بہمنی رہیگی
رہیگی اے منعمو! تو باقی دیئے کی کچھ روشنی رہیگی
رہیگی گردش دکھا کے نیچا جو ہوگے تارے تم آسماں کے
سدا کسی کی بنی رہی ہے؟ نہ یاں کسی کی بنی رہیگی
گرایا تورانیوں کو تو نے پچھاڑا ایرانیوں کو تو نے
کہاں تلک اے شرابِ غفلت! یہ تیری دُردِ افگنی رہیگی
صفائیاں ہو رہی ہیں جتنی دِل اُتنے ہی ہو رہے ہیں میلے
اندھیرا چھا جائیگا جہاں میں اگر یہی روشنی رہیگی
بگاڑ مذہب نے جو ہیں ڈالے نہیں وہ تا حشر مٹنے والے
یہ جنگ وہ ہے کہ صلح میں بھی یونہی ٹھنی کی ٹھنی رہیگی

رہیگی کس طرح راہِ آئیں کہ رہنما بن گئے ہیں رہزن

خدا نگہباں ہی قافلوں کا اگر یہی رہزنی رہیگی

قبولیت کی کرو نہ پروا جو چاہو مقبولِ عام ہونا

رہو گے گر حسنِ ظن کے طالب تو تم سے یاں بدظنی رہیگی

جو چھوڑے میراث کچھ نہ حالیؔ! تو ہو نہ دل تنگ اس کے وارث

رہیں گے ہر حال میں غنی وہ۔ جو نیت اُن کی غنی رہیگی

حالی۔

۶۱۔ نوائے انقلاب

چل رہی ہی باغِ عالم میں صبائے انقلاب

آ رہی ہے پتّے پتّے سے صدائے انقلاب

انقلاب آئین ہستی ہے نہیں اس سے مفر

چلتی رہتی ہے ہمیشہ آسیائے انقلاب

زیر و بم سے ہے مرکب زندگی کا زمزمہ

زیست کہتے ہیں جسے ہے اک نوائے انقلاب

ذرّے ذرّے سے ہی آہنگِ تغیّر موجزن | سازِ ہستی سے نکلتی ہی صدائے انقلاب
ایک حالت پر نہیں ہی کارگاہِ ہست و بود | یعنی ہر ساعت نرالی ہی ادائے انقلاب
قطرہ گاہے بحر گاہے ابر گاہے برف ہے | کس قدر دلکش ہی حُسنِ عشوہ ہائے انقلاب
ذرّہ گاہے دشت گاہے کوہ گاہے قصر ہی | ہے سبق آموزِ ہمّت ارتقائے انقلاب
جب تلک ہستی ہی گردش سے بھی چھٹکارا نہیں | انتہائے زندگی ہی انتہائے انقلاب
گردشِ دوراں تنزل کا مرادف کیوں بنے؟ | کیوں ترقی کو نہ سمجھیں مُدعائے انقلاب
زندگی کا راز ہی سعیٔ مسلسل میں نہاں | اہلِ ہمّت کو نہیں ممکن دبائے انقلاب
باری باری ہوتے آئے ہیں سبھی زیر و زبر | تجھکو دھوکے میں نہ ڈالے ابتلائے انقلاب
یاس تو جب ہو اگر ساکن ہو دریائے حیات | مزرعِ اُمید ہرواں ہی فضائے انقلاب
زندگی سیلِ رواں ٹھہری تو پھر کیسا سکون | قطرہ قطرہ ہی یہاں تو آشنائے انقلاب
دانہ کہتا ہی کہ مرکز سے اگر تم ہٹ گئے | پیس ہی ڈالے گی تم کو آسیائے انقلاب
تیری کوشش پر مدارِ کار جب رکھا گیا | تو بنا بیٹھا ہے کیوں برگِ ہوائے انقلاب
خود بھی کچھ کر کے دکھا۔ گردش کی کٹ پُتلی نہ بن | جوہرِ تقلیب پیدا کر بجائے انقلاب

منقلب گشتن خس و خاشاک را ہم حاصل است
در خورِ اہلِ ہمم تدبیرِ کارِ مشکل است

نیرنگ

جلد ۳

۶۲- عزم لندن

(نظم مسٹر وہاج الدین صاحب بیرسٹر لکھنؤ نے اپنے بھتیجوں نظام الدین حیدر اور وحید الدین حیدر کے لندن جاتے وقت بمبئی بھیجی تھی کہ جہاز پر سوار ہوتے ان کو ملے)

نظام جاتے ہو لندن مگر خیال رہے
وحید تم کو بھی اندیشۂ مآل رہے

ہمارے دردِ جدائی کا کچھ اثر بھی ہے
ہمارا حال ہے کیا کچھ تمھیں خبر بھی ہے

اگر ہے تم کو یہ کیوں دے رہے ہیں اذن سفر
تمھارے ہجر کا رکھتے ہیں دل یہ کیوں پتھر

یہ جانتے ہو کہ ہم سب کو آرزو کیا ہے
جو بھیجتے ہیں تمھیں ان کو جستجو کیا ہے

یہ آرزو ہے کہ دنیا میں شادکام رہو
دعا یہ ہے کہ زمانہ میں نیک نام رہو

سنو کہ خواہشِ اوّل یہی ہے ہم سب کی
وہاں بھی تم کو رہے قدر اپنے مذہب کی

وہاں تمھیں نظر آئے گی اک نئی دنیا
نظر فریب تماشا ہے جس کے گلشن کا

کھلے ہوئے ہیں بہارِ طرب کے گل ہر سو
نگارِ عیش کے بکھرے ہی رہتے ہیں گیسو

نگاہ محو تماشائے شاہدِ گل ہے
دلوں کی تاک میں وابستہ زلفِ سنبل ہے

...یں وہ ہنگامۂ نشاط وہ دھوم
محاذ آب سمندر وہ جھمگٹے وہ ہجوم

جلد ۳

وہ حال روم میں رقص و سرود عیش و نشاط کہ جس کے آگے نہیں جشن جم کی کوئی بساط
بھرے ہوئے ہیں وہ تھیٹر قمر جبینوں سے
نظر کو بھی نہیں ملتی جگہ حسینوں سے
سماں یہ دیکھ کے جو لوگ بھول جاتے ہیں وہ راہِ منزل مقصود بھول جاتے ہیں
بہارِ گلشنِ دنیا ہے آدمی کے لیے مگر بنا نہیں انسان محض اسی کے لیے
ضیائے شمع شبستاں ہو رات بھر کے لیے فضائے منظرِ بستاں ہیں اک نظر کے لیے
قرینِ عقل نہیں دل پہ ہو نظر غالب نظر فریب بھی کھائے تو دل نہ ہو طالب
وہ دل کہ خونِ شرافت ہی موجزن جس میں شعاعِ مہرِ سعادت ہے ضو فگن جس میں
کمالِ علم ہی غایت ہے اہلِ بینش کی سمجھتے ہیں جو غرض اپنی آفرینش کی
اسی سے ہجر گوارا بجبر کرتے ہیں خدا کو سونپتے ہیں تم کو صبر کرتے ہیں
اکیلے جاتے ہو پردیس میں خدا حافظ
جہاں مقام ہو ہر دیس میں خدا حافظ

۹

۶۳ - برق کلیسا

رات اس بت سے کلیسا میں ہوا میں جو دو چار ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ ابھار

…ان بیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید — قدِ رعنا میں وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید

…کھیں وہ فتنۂ دوراں کہ گنہگار کریں — گال وہ صبح درخشاں کہ ملک پیار کریں جلد۳

…م تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے — دلکش آواز کہ سن کر جسے بلبل چہکے

…کشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں — سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں

…تشِ حسن سے تقوے کو جلانے والی — بجلیاں لطف تبسم سے گرانے والی

…ہوئے حسن بیاں شوخیِ تقریر میں غرق — ٹرکی و مصر و فلسطین کے حالات میں غرق

…س گیا لوٹ گیا دل میں سکت ہی نہ رہی — سُر تھے تمکین کے جس گت میں وہ گت ہی نہ رہی

ضبط کے عزم کا اس وقت اثر کچھ نہ ہوا
یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا

…ض کی میں نے کہ اے گلشنِ فطرت کی بہار — دولت و عزت و ایماں ترے قدموں پہ نثار

…اگر عہد وفا باندھ کے میری ہو جائے — ساری دنیا سے مری قلب کو سیری ہو جائے

…وق کے جوش میں میں نے جو زباں یوں کھولی — ناز و انداز سے تیوری کو چڑھا کر بولی

…نگن ہے مجھے اُنس مسلمانوں سے — بوئے خون آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

…ن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بن کر — حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر

…ی نباہے جو عہدی تو بگڑ جاتے ہیں — آگ میں کودتے ہیں توپ سے لڑ جاتے ہیں

مطمئن ہو کوئی کیوں کر کہ ہے یہ نیک نہاد — ہے ہنوز ان کی رگوں میں اثرِ حکم جہاد

دشمنِ صبر کی نظروں میں لگاوٹ پائی
کامیابی کی دلِ زار نے آہٹ پائی

عرض کی میں نے کہ اے لذتِ جاں راحتِ روح — اب زمانہ یہ نہیں ہے اثرِ آدم و نوح
شجرِ طور کا اس باغ میں پودا ہی نہیں — گیسوئے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں
اب کہاں ذہن میں باقی ہیں براق و رفرف — ٹکٹکی بندھ گئی ہے قوم کی انجن کی طرف
ہم میں باقی نہیں اب خالدِ جانباز کا رنگ — دل پہ غالب ہے فقط حافظِ شیراز کا رنگ
جوہرِ تیغِ مجاہد تری ابرو پہ نثار — نورِ ایماں کا ترے آئینۂ رو پہ نثار
موجِ کوثر کی کہاں اب ہے مرے باغ کے گرد — ہیں تو تہذیب میں ہوں پیرِ مغاں کا شاگرد
مجھ پہ کچھ وجہ عتاب آپ کو اے جان نہیں — نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلماں نہیں
جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاحبِ فہم — تو نکالو دلِ نازک سے یہ شبہ یہ وہم

میری اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو
ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو

اکبر

جلد

۶۴۔ عقدِ لندن

اک مسِ سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد
اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہ ہائے دلخراش

کوئی کہتا ہے کہ بس اس نے بگاڑی نسلِ قوم
کوئی کہتا ہے کہ ہے یہ بدخصال و بدمعاش

دل میں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ
ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش

ہوتی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو
قومِ انگلش سے ملو سیکھو وہی وضع و تراش

جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو
سوپ و کاری کے مزے لو چھوڑ دو یخنی و آش

لیڈیوں سے مل کے دیکھو ان کے انداز و طریق
ہال میں ناچو کلب میں جا کے کھیلو ان کے تاش

بادۂ تہذیبِ یورپ کے چڑھاؤ خم کے خم
ایشیا کے شیشۂ تقویٰ کو کر دو پاش پاش

جب عمل اس پر کیا پریوں کا سایہ ہو گیا
جس سے تھا دل کی حرارت کو سراسر انتعاش

سامنے تھیں لیڈیانِ زہرہ وش جادو نظر
یاں جوانی کی امنگ اور ان کو عاشق کی تلاش

اس کی چتون سحر آگیں اس کی باتیں دلربا
چال اس کی فتنہ خیز اس کی نگاہیں تیر پاش

جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برقِ بلا
دستِ سیمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دور باش

دونوں جانب تھا رگوں میں جوشِ خونِ فتنہ زا
دل ہی تھا آخر نہیں تھی برف کی یہ کوئی قاش

بار بار آتا ہی اکبر میرے دل میں یہ خیال — حضرتِ سیّد سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش

بجلد ۳

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

اکبر

۶۵ - اگلے شرفا

وہ صورتیں متبرک وہ اُن کی شان و شکوہ — مہذبانہ وہ باتیں وہ جانفزا گفتار
ہر اک کو وضع کا پاس اپنے دوستوں کا لحاظ — لبوں پہ خلق کی باتیں دلوں میں صبر و قرار
کسی کو نثر کا ذوق اور کسی کو نظم کا شوق — فقیہہ و صاحبِ تقویٰ و کاسبِ احرار
وہ دوستوں سے عزیزوں کی طرح مل جانا — بُرائیوں سے کنارہ شکایتوں سے عار
سنو غریبوں کی حالت امیر تو ہیں امیر — مجال کیا جو کریں اپنے حال کا اظہار
نہ نکلیں گھر سے جو نکلیں تو شان سے نکلیں — کہ اپنے ہاتھ سے جانے نہ پائے اپنا وقار
بشاشتیں وہی مُنہ پر ہزار ہو تکلیف — طلب کا نام نہ لائیں زبان پر زنہار
لیے دیئے ہوئے اور آبرو بنائے ہوئے — کہ تا نہ سمجھے کوئی ان کو مفلس و نادار
مہذب ایسے تھے جاہل بھی اس زمانہ کے — کہ اہلِ علم میں کر لے زمانہ ان کو شمار

محاوروں میں وہ شیرینیاں کہ صلّ علیٰ
وہ جب کریں تو بہ آہستگی کریں گفتار
جھکائے سرکو شرافت سے راستہ چلنا
ادب سے ہاتھ اُٹھانا سلام کو ہر بار
کریں غریب کا بھی تا بہ فرش استقبال
بہت لحاظ کہ آئے نہ ان کے دل پہ غبار
لحاظ بھائیوں تک میں بھی باپ بیٹوں کا
یہ کیا مجال کہ مرکز سے بڑھ کے ہو گفتار
ہر ایک حفظ مراتب میں تکملہ حاصل
ہر اک سی جھک کے تعارف صغار ہوں کہ کبار
بہادرانہ اُمنگیں سپاہیانہ شوق
جریب دست مبارک میں اور کمر میں کٹار

کوئی جگہ کوئی صحبت نہیں کہ ہوں نہ وہاں
مورخ و شعرا و ادیب و نثر نگار

شاد

۶۶۔ تعلیم یافتہ نوجوان

اک مجمع ثقات میں میرا گزر ہوا
انگریزی دانوں پر تھے وہ سب ہو رہے خفا
ارشاد اک طرف سے ہوا مجھکو دیکھکر
انگریزی پڑھنے والوں پہ حضرت بھی ہیں فدا
اور لطف یہ کہ جانتے خود خاک بھی نہیں
پر روشنی نئی کا ہے حضرت کو چاندنا
روزی کے نام سے چڑھیں کھدیں نماز کو
بھوکا نہیں ہماری عبادت کا کچھ خدا

فطرہ نہ خمس اور نہ مساکین پروری
ان کی بلا سے بھوکے ہیں گر خویش و اقربا
اگلی سی وضع اور نہ اگلی سی گفتگو
وہ خُلق وہ مروت والفت نہ وہ وفا
حج کا خیال اور نہ زیارات کی اُمنگ
شوقِ حدیث اور نہ قرآں سے واسطہ
ذکرِ فضائلِ نبوی ہو اگر کہیں
یہ دل سے۔ ان سے دل کہے۔ چل بھاگ ہو کھڑا
واقف قبورِ لوتھر ولبڑس سے ٹھیک ٹھیک
پر ہی پتہ نجف کا نہ معلوم کربلا
لندن کا ذکر کیجیے۔ ننظر چپّہ چپّہ پر
پر یہ خبر نہیں ہے کہ کعبہ کدھر رہا

جب ایسی پود پیدا اگلی ہونے قوم میں
فرمائیے کہ قوم کو کیا اس سے فائدہ

سیّد علمدار حسین

۶۷ - نئے جنٹلمین

رہا وہ جز کہ جسے پڑ گئی ہے انگریزی
سو واں خدا کی ضرورت نہ انبیا درکار
وہ آنکھ میچ کے بر خود غلط بنے ایسے
کہ ایشیا کی ہر اک چیز پر پڑی دھتکار
جو پوششوں میں ہے پوشش تو پیس ورید کوٹ
سواریوں میں سواری تو ڈم کٹا رہوار
جو اردلی میں ہی کتا تو ہاتھ میں اک بید
بجاتے جاتے ہیں سیٹی سُلگ رہا ہے سگار

وہ اپنے آپ کو سمجھے ہوئے ہیں جنٹلمین — اور اپنی قوم کے لوگوں کو جانتے ہیں گنوار
نہ کچھ ادب ہے نہ اخلاق نہ خدا ترسی — گئے ہیں ان کے خیالات سب سمندر پار
وہ اپنے زعم میں لبرل ہیں یا ریڈیکل ہیں — مگر ہیں قوم کے حق میں بصورتِ اغیار
نہ انڈین میں رہے وہ نہ وہ بنے انگلش
نہ ان کو چرچ میں آنے نہ مسجدوں میں بار

اسمٰعیل

۶۴ - فیشن

ہر چند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے — بنگلہ بھی ہے پاٹ بھی ہے صابون بھی ہے
لیکن یہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں ہندی — یورپ کا تری رگوں میں کچھ خون بھی ہے

اسباب طرب یہاں وہاں سے لائیں — ہر طرح کا فرنیچر دکان سے لائیں
قائم نہ رہے ادب تو کیا اس کا علاج — انگریز کا رعب ہم کہاں سے لائیں

عزم گر تقلید مغرب کا ہنر کے زور سے — لطف کیا ہے لدنئے موٹر پہ زر کے زور سے

سکھاتے ہیں تقلید انگلش جو آپ — کہیں مفلسوں کو نہ بیٹ کیجیے
بہت شوق انگریز بننے کا ہے — تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجیے

واہ کیا دھج ہے میرے بھولے کی   رنگ کوٹ کا ہیٹ سولے کی

آج وہ ہنستے ہیں میرے جبہ و شلوار پر   ایک دن ان کو فلک بندھوائے دھوتی تو سہی

جلد ۳

تارک الوضعوں میں دو چار نے پایا ہی عروج   خیر اتنے شہدا تھے تو یہ غازی بھی سہی

انگلش ڈریس انور کا جو کل بزم میں دیکھا   اکبر نے کہا یہ کہ خرابی کے ہیں آثار

معنی میں بھی ہو جائے گا آخر کو تغیر   تبدیلی صورت کے رہے گر یہی اطوار

خالق کی عبادت سے حجاب آنے لگے گا   شرماؤ گے کرتے ہوئے اسلام کا اظہار

بیگانہ وحشی ہو گی عزیزان وطن سے   بنگلے میں نہاں ہو گے کہیں چھوڑ کے گھر بار

فاتح سے مساوات کی آئیں گی امنگیں   وہ زیست جو آساں تھی ہو جائیگی دشوار

آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہو گے   ایک ایک کو دیکھے گا بہ اکراہ و بہ انکار

آخر کو رہو گے نہ ادھر کے نہ ادھر کے

انگریز بھی کھنچتے رہیں گے قوم بھی بیزار

انور نے کہا صلِ علیٰ واہ بہت خوب   شک اس میں نہیں مدح کے قابل ہے یہ گفتار

لیکن یہ جو تعمیم ہے حضرت کے سخن میں   اس کو تو نہ تسلیم کرے گا یہ گنہگار

ہر مذہب و ملت میں ہیں اچھے بھی برے بھی   وہ کونسا فرقہ ہے کہ سب جس میں ہیں ابرار

ملبوس و مکاں کا جو کیا آپ نے مذکور   اس کے بھی بجا ہونے کا مجھکو نہیں اقرار

باطن سے ہے اخلاق حمیدہ کا تعلق — فطرت میں جو ہے نیک وہ بد ہوگا نہ زنہار
اوضاع زمانہ تو بدلتے ہی رہیں گے — رکتی نظر آتی نہیں دنیا کی یہ رفتار
ہے جس کو ضرورت وہ ضرورت سے ہے مجبور — ہے شوق جسے کیوں نہ کیا جائے وہ مختار
مقصود جو اصلی ہے وہ ہے دل کی درستی — یا ہیٹ ہو اور کوٹ ہو یا جبہ و دستار
شبہہ ہو مرے اس قول کی صحت میں اگر ہو — سن لیجیے سعدی کا یہ ارشاد گہربار

حاجت بکلاہ برکی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

جلد۳

ہیٹ رانہ برسر من جائے دستار ای عزیز — مرد تا مسٹر توانا شد چرا قبلہ شود
ناز کیا اس پہ کہ بدلا ہے زمانہ نے تمھیں — مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

اکبر

۶۹- رؤسا کی فیاضی

کی رئیس شہر کی تعریف یاروں نے بہت — بر سبیل تذکرہ باہم جو ذکر اس کا چلا
بولے آج اس کا نہیں مہمان نوازی میں نظیر — عاملان شہر مدعو اس کے رہتے ہیں سدا
ضلع کے حکام کا ادنے اشارہ چاہیے — پھر کوئی دیکھے سخاوت اس کی اور بذل و عطا

یادگاریں جتنی ہیں اعیانِ دولت کی نہیں
ان میں صرف اسکی قسم ہی سب کے چندے سی سوا
پالکی یا دگمنیٹ ہے جو سواری اس کے پاس
اہلکاروں کے لئے ہی وقف بے چون و چرا
کیا کلکٹر کیا کمشنر کیا سپاہی کیا عسس
اس کی ہمت سے کے ہیں سب مراح بے رو و ریا

حالی

۷۰۔ مسرف مقروض

پھر رہے ہیں اب تو بغلیں جھانکتے
دل ہی سینہ میں نہایت بیقرار
بات بھی کوئی نہیں اب پوچھتا
چند دن پہلے جسے رہتے تھے یار
دوستوں کو روز دیتے تھے ڈنر
وعدے ہوتے تھے پئے سیر و شکار
جمگھٹے باغوں میں تھے احباب کے
ناچ گانے میں کٹے لیل و نہار
تھاپ طبلے پر پڑا کرتی تھی روز
قصر میں ہر روز بجتا تھا ستار
ہارمونیم ۔ ارغنوں ۔ فونوگراف
دل کے بہلانے کو تھے ساماں ہزار
تھی بٹیروں کی کہیں پالی جمی
جنگجو مرغوں کی تھی اک سو قطار
روز اُڑاتے تھے کبوتر شام کو
تھے کبوتر باز نوکر بے شمار

بچپنے سے تھا جو کنکوے کا ذوق — بے بدے میداں نہ آتا تھا قرار
گھر کی دولت اور اثاثہ پھونک کر — رہ گیا تھا قرض ہی پر بس مدار
تھا نہ لینے کے سوا دینے کا نام — اک خزانہ غیب کا سمجھے ادھار
شاپ والوں نے بھی دعوے کر دیئے — قرقیاں آنے لگیں انجام کار
تھی جو مرہونہ بکی وہ جائداد — پھر بھی قرضہ رہ گیا ہے بے شمار
کون ہے ڈھارس جو دے اس وقت میں — قرض خواہوں کا ہے نرغہ بے شمار

روز بد آخر دکھایا قرض نے
قعر ذلت میں گرایا قرض نے

یاور

۱۷ - پردہ

کس نماند ست کہ در پیشہ تمکارے بکند — تیغ گیرد و بکف فتح و یارے بکند
این زنا ہمت مرداں ہمیں محدود ست — کہ زن از پردہ بروں آید و کارے بکند
بٹھائی جائیں گی پردہ میں بیبیاں کب تک — بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کب تک
طبیعتوں کا نمو ہے ہوائے مغرب میں — یہ غیرتیں یہ حرارت یہ گرمیاں کب تک

جلد ۳

حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی | تو کام دینگی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک
عوام باندھ لیں دوہر کو تھرڈ و انٹر میں | سکنڈ و فرسٹ کی ہوں بند کھڑکیاں کب تک
جو منہ دکھائی کی رسموں پہ ہے مصر ابلیس | چھپینگی حضرتِ حوا کی بیٹیاں کب تک

جناب حضرتِ اکبر ہیں حامیٔ پردہ
مگر وہ کب تک اور ان کی رباعیاں کب تک

حفظِ عصمت بھی سہی لیکن یہ پردہ ہند میں | مسلموں کی جاہ و شان و تمکنت کی بات تھی
پردہ ور رکھتا ہے اب اس کی ضرورت ہی نہیں | میرزایانہ ادا تھی سلطنت کی بات تھی

خوں میں غیرت رہی باقی تو سمجھے گا کبھی
خوب تھا پردہ نہایت مصلحت کی بات تھی

فرض عورت پر نہیں ہے چاردیواری کی قید | ہو اگر ضبطِ نظر اور اس پہ خودداری کی قید
ہاں مگر خودداری و ضبطِ نظر آساں نہیں | منہ سے کہنا سہل ہے کرنا مگر آساں نہیں
تم میں وہ ضبطِ نظر ان میں وہ خودداری کہاں | رعبِ قومی مثلِ فاتح ملک پر طاری کہاں
اب رہی تعلیم کون اس امر کا مفتون نہیں | بیبیوں پر مغربی سانچا مگر موزوں نہیں

یہ تو ظاہر ہے حریفِ شوخ کیوں رکھنے لگا
شوق ہے لیکن خرابی یہ ہے کیوں جھکنے لگا

جلد۳

بے پردہ چند کل جو نظر آئیں بیبیاں — اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا — کہنے لگیں کہ عقلوں پہ مردوں کی پڑ گیا

چل بسے وہ جنہیں مقدور تھا خودداری کا — نہ وہ تقوٰی نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کی اُمید
ولولے لیکے نکلنے لگے کالج کے جواں — شرم مشرق کے عدو شیوۂ مغرب کے شہید
نئی تہذیب نئی راہ نیا رنگ جہاں — دور گردوں کی کہاں تک کوئی کرتا تردید
بحث میں آ ہی گیا فلسفۂ شرم و حجاب — زہرہ ممبر ہوئیں ووٹر تھے جنابِ خورشید

شیخ صاحب ہی کا اِک بزم میں کیا رعب و وقار
کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی اُمید

نعرے تحقیر کے اس پر ہوئے یاروں میں بلند — لڑکیاں بول اُٹھیں خود بطریقِ تائید
اب حکومت نہیں باقی تو یہ غمزے کیسے — کون کونے میں کرے بیٹھ کے مٹی کو پلید
خود تو گِٹ پٹ کے لیے جان دیئے دیتے ہو — ہم سے کہتے ہو کہ پڑھ بیٹھ کے قرآن مجید
دولھا بھائی کی یہ ہے رائے نہایت عمدہ — ساتھ تعلیم کے تفریح کی حاجت ہے شدید
کھل گئے اور نہ رہا شاہدِ مغرب میں حجاب — غل مچا ہرّے کا بول اُٹھے یہ مغرب کے مرید

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زپسِ پردۂ تقدیر پدید

جو ڈگری لیکے اسکولوں سے ہندی لڑکیاں نکلیں | کہوں کیسی نیو فیشن میں رشکِ لیڈیاں نکلیں
مہذّب ہو گئیں جس دم وہ تہذیبِ جدیدہ سے | تو کرتی اپنی ماں بہنوں پہ نکتہ چینیاں نکلیں
بزرگوں شوہروں کا کچھ لحاظ ان کو نہ پردہ کا | دماغوں میں وہ اپنے بھر کے یہ آزادیاں نکلیں
تماشوں تھیٹروں جلسوں کا ان کو شوق چرّایا | اِدھر پہنچیں اُدھر پہنچیں یہاں نکلیں وہاں نکلیں
کہیں کرکٹ کہیں ہاکی کہیں دوڑ اور کہیں پولو | غرض جس کھیل کو جی ان کا چاہا بیگماں نکلیں
نہ مذہب سے غرض مطلب نہ کچھ ارکانِ مذہب سے | مگر تقلیدِ یورپ کے لیے سب نغمہ خواں نکلیں

نئی تعلیم کو پا کر بقولِ حضرتِ اکبر
میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں

پردہ میں ضرور ہی طوالت بیحد | انصاف پسند کو نہیں چاہیے ہٹ
تشبیہ بُری نہیں اگر میں یہ کہوں | بیگم ہی بیچوان لیڈی سگرٹ

اکبر

۲۷۔ مُہذّب بیوی

پردے پردے میں وہ نکلتی تھی | ساتھ گھونگھٹ نکالے چلتی تھی
جس طرف دونوں مل کے جاتے تھے | انگلیاں لوگ اُدھر اُٹھاتے تھے

جلد۲

بولیاں کوئی بولتا تھا کھرا — کوئی نظروں میں تولتا تھا کھرا
کوئی روشنی پہ مرتے تھے — چل کے لاحول مجھ پہ کرتے تھے
کہتے تھے کوئی کیوں یہ چل کھیلے — اب زمانہ وہ ہے کہ کھل کھیلے
بات پردوں میں ہو تو باہر آئے — آنکھ ہو تو نگاہ بن کر آئے
چاند کو ابر میں نہ ڈالے کوئی — اب نہ گھونگھٹ کبھی نکالے کوئی
حاضری پر چلے ٹفن پہ چلے — ساتھ بیوی بھی اب فٹن پہ چلے

بات بیوی نے جب یہ سن پائی
اپنے گانے کی خوب دھن پائی

بولی تیور بدل کے ہم سے۔ واہ! — ہے نگوڑی تمہاری اچھی راہ
چھوڑ دو آج سے پرانی چال — کام آتا نہیں پرانا مال
خلق کو ہے نیا چلن ہی پسند — مے نہیں یہ کہ ہو کہن ہی پسند
میرا اب سے نہ یہ چلن ہوگا — میں نئی ہوں نیا فیشن ہوگا
میں نئی روشنی میں چمکوں گی — میں سوسائٹی میں چل کے دمکوں گی
میرے گھونگھٹ نکالنے والی — ناس ہو برقع ڈالنے والی
گہنا زیور و بال ہے جی کا — سر کا ٹیکا کلنگ کا ٹیکا

جلد۳

پاؤں پڑنے نہ دوں چھڑے کو اب — ماروں پاپوش پر کڑے کو اب
اب تو بالی بلائے جاں سی ہے — طوق ہے یا گلے کی پھانسی ہے
اب جو پاؤں گی کان کی مچھلی — کھا ہی جاؤں گی کان کی مچھلی
یہ کہاں کا مُوا یتوڑا ہے — آنت شیطاں کی ہے کہ توڑا ہے
اپنی سنوں۔ یہ نہیں چلن اچھے — اس سے تو پھر بھی ہیں بٹن اچھے
دادر دوں کی اب تو میں دوں گی — چوڑیاں اب تو میں نہ پہنوں گی
ہاں قسم ہے خدائے پاک کی اب — مجھکو کانٹا ہے کیل ناک کی اب

اب نہ گھر پھر میں آنے پائے حنا
خون کر ڈالوں گی جو لائے حنا

چیر ڈالوں گی لہنگے ساڑی کو — یہ پہناؤ کسی اناڑی کو
چولی انگیا سے کوئی کام نہیں — کارسٹ اب نہ لوں تو نام نہیں
گھاگھری اب نہ خاک پہنوں گی — میں تو صاحب فراک پہنوں گی
پاؤں کے مونٹے اب بھولوں گی — بوٹ بنواؤں گی میں شولوں گی
سر پہ چادر نہ پاؤں میں استری — ویل مُنہ پر ہو۔ ہات میں چھتری

اب نہ ہرگز ڈروں گی میں تم سے
الٹا پوچھی کروں گی میں تم سے

اُن کے باتیں یہ اپنی بی بی سے
میں بھی ہارا تھا بدنصیبی سے
یعنی اس وضع میں بُری گت تھی
آبرو تھی نہ اس میں عزّت تھی

طالب بنارسی

۳۷۔ بیگم اور لیڈی کی دو دو باتیں

کہا ایک بیگم سے لیڈی نے اک دن
کہ موجودہ تہذیب سے تم ہو عاری
نئی روشنی کا اثر کچھ نہیں ہے
پُرانی ہیں جتنی ہیں باتیں تمھاری
سمجھتی ہو زیور کو زینت کا ساماں
خوشی سے اُٹھاتی ہو یہ بوجھ بھاری
بناوٹ سے تم چاہتی ہو چمک ت
لگاتی ہو کپڑوں پہ گوٹا کناری
وہی کُرتی انگیا وہی بند محرم
چلی جاتی ہے حُسن کی پردہ داری
یہ سب کام باہر ہیں تہذیب سے اب
نشانِ جہالت ہیں باتیں یہ ساری
سلیقہ نہیں بات کرنے کا تم کو
سرِ بزم کیوں کر نہ حاصل ہو خواری
نہ تہذیب تم میں نہ شائستگی ہے
نئی روشنی میں چلن ہے گنواری
رہا کرتی ہو قید گھر میں ہمیشہ
نہ سیر و سیاحت نہ شوقِ سواری

تمھیں اس سے کیا، تم اسیرِ قفس ہو | چلے باغ میں لاکھ بادِ بہاری
جلد۳ مصیبت سے دن کاٹتی ہو جہاں ہیں | یہ جینا ہی یا نزع کی دم شماری

تمھیں جیتے جی مار رکھا ہے اس نے
پڑے بھاڑ چولھے میں یہ وضعداری

کہا سُن کے بیگم نے اے میم صاحب | بس اب چُپ رہو آتی ہے میری باری
نئی روشنی کے نئے گیت گائے | بہت تم نے پڑھ پڑھ کے شیخی بگھاری
تماشا تو دیکھو کہ پردہ اُٹھا کر | بنی پھرتی ہے میم میری بچاری
نظر پڑتی ہے غیر لوگوں کی ہر دم | تمھارا یہ چہرہ ہے یا چاندماری
کیا کرتی ہو غیر مردوں سے باتیں | جھجکتی نہیں پاس تک شرمساری
ہوئی ڈولی اور بند گاڑی سے نفرت | پسند آئی بائی سِکل کی سواری
نہیں تم کو سیر و سیاحت سے فرصت | بُری طرح برباد ہے خانہ داری
نہ اتراؤ میموں کا سا بھیس کر | کہ صورت ہی کالی کلوٹی تمھاری
چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا | نہ کام آئی کوے کو کچھ ہوشیاری
نہ بیگم ہے کوئی نہ رانی ہے کوئی | نہ زیب النسا ہے نہ چنچل کماری
مسز اور مس بن گئیں عورتیں سب | لقب سے نہ بیاہی بچی ہے نہ کنواری

ترقی کرو علم و شائستگی میں — نہ چھوڑو مگر اپنی تم وضعداری

جلد۲ کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا — حکومت کا میموں کے سکہ ہے جاری

ہمیں زیب دیتی نہیں ریس ان کی — حکومت سے پھبتی ہیں باتیں یہ ساری

وجاہت مناسب ہے سب عورتوں کو

کریں ننگ و ناموس کی پاسداری

وجاہت

۴۷۔ شریف بیبیاں

اے ماؤ! بہنو! بیٹیو! دنیا کی زینت تم سے ہے — ملکوں کی بستی ہو تمھیں۔ قوموں کی عزت تم سے ہے

تم گھر کی ہو شہزادیاں شہروں کی ہو آبادیاں — غمگیں دلوں کی شادیاں دکھ سکھ میں راحت تم سے ہے

تم ہو تو غربت ہے وطن۔ تم بن ہے ویرانہ چمن — ہو دیس یا پردیس۔ جینے کی حلاوت تم سے ہے

نیکی کی تم تصویر ہو۔ عفت کی تم تدبیر ہو — ہو دین کی تم پاسباں ایماں سلامت تم سے ہے

فطرت تمہاری ہے حیا طینت میں ہے مہر و وفا — گھٹی میں ہے صبر و رضا انساں عبارت تم سے ہے

مردوں میں ست والے تھے جو سب بیٹھے اپنا کھو — دنیا میں لے دے کے ستونتیو اب ست تم سے ہے

مونس ہو خاوندوں کی تم غمخوار فرزندوں کی تم — تم بن ہے گھر ویران سب گھر بھر میں برکت تم سے ہے

تم آس ہو بیمار کی۔ ڈھارس ہو تم بیکار کی　　دولت ہو تم ناداس کی عسرت میں عشرت تم ہی ہو
آتی ہو اکثر بے طلب۔ دنیا میں جب آتی ہو تم
پر موہنی سی اپنے یہاں گھر بھر پہ چھا جاتی ہو تم

حالی

۷۵۔ غریب ماں

یہ کھاتے ہو جو تم ہر روز روٹی　　بتاؤ کیونکہ ہے تیار ہوتی؟
اگر آٹے کی پکتی ہے تو آٹا　　بتاؤ ہے کہاں سے روز آتا؟
تمھارا باپ ہے جو کچھ کماتا　　اناج اُس کا ہی وہ ہی مول لاتا
تمھاری ماں کو دیدیتا ہے لاکر　　وہ اُن کو چُن پھٹک کر اور بنا کر
خود اپنے ہاتھ سی ہی پیس لیتی　　لگا رکھی ہی اُس نے گھر میں چکی
اسی چکّی کا پیسا تھا وہ آٹا　　چڑھے پر دان ہو تم جس کو کھا کھا
وہ بیچاری ہمیشہ صبح ہوتے　　کہ جب تم بے خبر ہوتے ہو سوتے
جھٹ اُٹھ پیسنے جا بیٹھتی ہے　　عجب بندی خدا کی محنتی ہے
وہ ہی اس ہاتھ سے چکّی چلاتی　　اور اُس سی گلّہ پیہم ڈالے جاتی

جب اس کا ہاتھ تھک جاتا ہی دایاں
بدل لیتی ہے تب وہ ہاتھ بایاں
کبھی گھبرا کے دل ہی دل میں اپنے
خدا کا نام وہ لگتی ہے جپنے
کبھی دل کو خدا سے لو لگا کر
تسلّی دیتی ہے وہ گیت گا کر
جب آٹا پیس چکتی ہی تو گویا
سمجھتی ہی بڑا گڑھ ہیں نے جیتا
پھر آٹا چھان کر بھوسی جُدا کر
اُسے بھرتی ہی مٹکے میں اُٹھا کر
پکانے کا جو نہیں وقت اُس کے آیا
سنبھالا اُس نے جھٹ آٹے کا کوندا
لگی پھر گوندنے آٹا جھپا جھپ
اور اُس میں مارنے مُکّی شپا شپ
وہ یوں آٹے کو ہی دے دے پٹکتی
کہ گویا لڑ رہی ہی اس سے کشتی
جب آٹا گوندھ چکتی ہے تو لے کر
توا - دیتی ہی - رکھ چولھے کے اوپر
بناتی ہے گُندھو آٹے کے پیڑے
کہ ہو جس طرح سے جلدی نبیڑے
وہ جھب جھب پھر پکا لیتی ہی روٹی
چپاتی خواہ ہلکی - خواہ موٹی
ذرا دیکھو تو کوئی اُس کی پھرتی
توے پر دم میں ڈالی اور اُلٹی
پکا کر - رینڈھ کر - کھا کر - کھلا کر
ہوئے جھوٹے جو باسن دھو دھلا کر
لیا چھٹا اور گھر کا کام دھندا
یہی ہے اُس کا صبح و شام دھندا
وہ کرتی رہتی ہے ہم سب کی خدمت
نہیں ملتی اُسے مرنے کی فرصت

یہی رہتا ہے دن رات اُس کو رونا   پکانا۔ رندھنا۔ سینا۔ پرونا
رندھی رہتی ہے تم بچوں میں دن رات   کرے بھی تو کسی سے کیا کرے بات
نہ ہوش اچھے کا اس کو اور بُرے کا   نہ ہڈرا پہننے اور اوڑھنے کا
کہیں پڑ رہنا فارغ جب کہ ہونا   کوئی سونے میں داخل ہے یہ سونا؟
ڈھلا دن اور چڑھا سر۔ کھانے کا فکر   تمہارے باپ کے گھر آنے کا فکر
سویرے کا وہ نکلا نکلا گھر سے   پھرے گا شام کو جب کام پر سے
تو اُس کو دیکھتے ہی آپ سے آپ   بڑے اور چھوٹے ہو جائینگے چپ چاپ
قدم رکھے گا جو نہیں گھر کے اندر   سنبھل بیٹھو گے تم سب اس سے ڈر کر
اور اماں چھوڑ کر پھر سوئی تاگا   لگے گی لینے اُس کا آگا تاگا
وہ سستانے نہیں پاتا کہ لا کے   بچھا دیتی ہے دسترخوان آگے
گھڑی تم کو گھڑی کرتی ہے پنکھا   گھڑی پانی پلاتی ہے وہ لا لا
دیئے جاتی ہے تم سب کو وہ سالن   رہے اپنے لیے گو کچھ نہ لاون
جو رہ رہتی ہے پیچھے ہڈی بوٹی   لگا کر اُس سے کھا لیتی ہے روٹی
اُسے تم کو کھلانے سے ہے مطلب   نہیں کچھ اپنے کھانے سے ہے مطلب
اگر کھانے میں آئی تم کو لذت   تو سمجھو لگ گئی ٹھیک اُس کی محنت

جلد ۲۱

نہ پکا گر مزے کا تو نگوڑی — ہوئی جاتی ہو دل میں تھوڑی تھوڑی
بھلا ماں کے سوا کس سے بن آئے؟ — نہ کھائے آپ اور تم کو کھلائے
تمھیں کیا فکر ان جھگڑوں کا بھائی — کہ ملتی ہے تمھیں پکی پکائی
پکانے سے نہ پکوانے سے مطلب — اگر ہے تم کو تو کھانے سے مطلب
ذرا سی دیر کھانے میں اگر ہو — تو تم رو رو کے گھر سر پر اٹھا لو
نہ الفت باپ کی تم جانتے ہو؟ — نہ ماں کی مامتا پہچانتے ہو؟
نہ اُن کی محنتوں کی ہے خبر کچھ؟ — نہ اُن کی جانفشانی پر نظر کچھ؟
نہیں کر سکتے حق اُن کا ادا تم — کرو اُن پر سے گر جاں بھی فدا تم
دل و جاں سے کرو تم اُن کی عظمت — بجا لاؤ ادب سے اُن کی خدمت
سمجھ لو اس سے ماں کی قدر و عظمت — کہ اُس کے پاؤں کے نیچے ہے جنت

حالی

۷۶- جاہل ماں

عروسی کی محمد میرزا نے — دیا اک چاند سا بیٹا خدا نے
محمد میرزا تھے صاحب جاہ — بڑھایا تھا جنھیں بخت رسا نے

بڑا معروف تھا اُن کا گھرانا — بہت کم ہوتے ہیں ایسے گھرانے
امارت ان کی تھی مشہور عالم — تجارت کے بہم کئی تھے کارخانے
سب اچھا تھا مگر بیوی تھی جاہل — وہ کیا جانے کسی کے گھر بنانے
ہوئی فرزند ہونے کی وہ شادی — بجے گھر میں کئی دن شادیانے
ادھر اُٹھا مبارک باد کا غل — اُدھر مطرب لگے گانے بجانے
جگر ٹھنڈا ہوا محفل ہوئی گرم — کھنچے تنبو قنات اور شامیانے
کھلے توڑوں کے مُنہ فرطِ خوشی سے — لگے خوش ہو کے سب دولت لٹانے
کئی دن تک رہا شادی کا عالم — مگر کچھ دن میں رُخ بدلا ہوا نے
یکایک اُڑ گئی دولت وہاں کی — دکھائی ذات اپنی بیوفا نے
غنی سے ہو گئے محتاج مرزا — گئے باہر کہیں کھانے کمانے
اکیلی رہ گئی وہ نامبارک — لگی اپنے چلن سے گھر چلانے
کبھی کاجل کبھی تیل اور اُبٹنا — لگی بچے کو آئے دن لگانے
نہ سمجھا فائدہ نقصان اپنا — لگی ہر چیز بچے کو کھلانے
بڑھی بچے کی جب بے اعتدالی — خلل بھی پھر لگا صحت میں آنے
کھلائیں اس کو چیزیں ناموافق — نکل آئے بدن میں اُس کے دانے

پڑا بیمار بچّہ ملک کے ہاتھوں — بخار اُس کو لگا شدت سے آنے

جلد۳

دوا پرہیز سے بچتا وہ بچّا — مگر مارا اُسے اس ناسزا نے

جہالت کا بُرا ہو وہ محبّت — عداوت تھی محبت کے بہانے

دوا درمن کو لوگوں نے کہا جب — لگی نادان ناک اور بھوں چڑھانے

سُنایا نام جس نے ڈاکٹر کا — چلی وہ گالیاں اُس کو سُنانے

لگی کہنے یہ کوئی اور شے ہے — نگوڑا ڈانگڈر کیا اس کو جانے

مرا ننھا کہیں نظرا گیا ہے — اسے صورت ہی دی ایسی خدا نے

پڑوسن اُس کی تھی اک اور بدعقل — ملائی ہاں میں ہاں خوب اس دوانے

پلائیں گھٹیاں بے سمجھے بوجھے — لگیں پھر منتیں دونوں منانے

مزاروں پر ملوں گی چل کے آنکھیں — چلوں گی قبر پر چادر چڑھانے

گنی۔ رمّال۔ نالائق نجومی — سب آئے قسمتیں اپنی لڑانے

منگائے مولوی مُلّا سے جنتر — بُلائے دیس کے عامل سیانے

کبھی جب شاہ جی مسجد میں آئے — چلی خود پھونک بچّے پر دلانے

کئی تعویذ سید سے منگائے — وہ سید جس نے دیکھی تھی زمانے

خدا کا نام تھا انمول اُن میں — جنھیں وہ بیچتے تھے آنے آنے

کسی سے کوئی حکمت بن نہ آئی — ہوئے مایوس سب اپنے یگانے
ہوا آرام بیٹے کو نہ زنہار — لگی محنت نہ اماں کی ٹھکانے
کوئی اس بات کی تہ کو نہ پہونچا — یہ کیا اسرار تھا اللہ جانے
تکلم کا عارضہ تھا بے زباں کو — مگر ماں نے دیا اس کو نہ جانے
دوا کا نام جو لیتا تھا کوئی — اسی کو دوڑتی تھی کاٹ کھانے
جہالت کے پکا کر ڈھائی چاول — لگی نادان دال اپنی گلانے
زمانہ لاکھ سمجھاتا تھا اس کو — مگر اس کی جہالت کس کو مانے
"مرا بچہ مرا جاتا ہے لوگو — چلے پر اور تم آئے جلانے"
کھڑا رہنے نہ دونگی ڈاکٹر کو — یہی بیٹھی تھی اپنے دل میں ٹھانے
خبر گیری نہ اس کی ہو سکی جب — خبر لی آکے بچے کی قضا نے
وہ بچہ چل بسا نادانیوں سے — لگی ماں پیٹنے اور خاک اڑانے
سنا یہ حال جب تو فرطِ غم سے — کہا چلا کے اک مردِ خدا نے
جو چاہو خیر لڑکوں کی تو پہلے — بٹھاؤ لڑکیاں اپنی پڑھانے
کھلی ہے نیند کچھ فضلِ خدا سے — کچھ اب بدلی ہے کروٹ اندیانے

غضب تھا یہ جہالت کا نتیجہ
ستم ہے جان لی بچے کی ماں نے — طالب بنارسی

جلد۳

۷۷۔ لاڈلا بیٹا

لاڈلا بیٹا تھا اک ماں باپ کا — جان ماں کی اور ایمان باپ کا
دیکھ اسے ہوتے تھے دونوں باغ باغ — تھا وہی لے دے کے اس گھر کا چراغ
ہر طرح اس کی رضا مقصود تھی — جان تک اس کے لیے موجود تھی
پر وہ مکتب سے کتراتا تھا وہ — نام سے پڑھنے کے گھبراتا تھا وہ
لکھنے پڑھنے کی نہ تھی ترغیب کچھ — گوشمالی تھی نہ تھی تادیب کچھ
جب ہوا وہ نازپروردہ جواں — رنگ لائیں اس کی بے پروائیاں

آ پڑا اس کا وہی آخر کو رنگ
لاڈلے بیٹوں کا جو ہوتا ہے ڈھنگ

سامنا ماں باپ کا کرنے لگا — ہمسری کا ان کی دم بھرنے لگا
حق تو ان کے اس سے کیا ہوتے ادا — اور ناراض ان کو وہ رکھنے لگا
تھیں ادائیں اس کی اکثر ناپسند — کارگر اس کو ملامت تھی نہ پند
جہل و نادانی کی تھیں طغیانیاں — رات دن کرتا تھا نافرمانیاں
اس کو صحبت تھی تو تھی اغیار سے — اس کی ملت تھی تو تھی انفار سے

جلد ۳

شہر میں آوارہ کہلاتا تھا وہ چوک میں پاتا تھا جب پاتا تھا وہ
خوف ہوتا تھا نصیحت کا جہاں جا کے بھولے سے نہ پھرتا تھا وہاں
پند سے ناصح کی نفرت تھی اسے سائے سے اچھوں کے وحشت تھی اسے
گھر میں آ اک اک سے لڑ جاتا تھا وہ باتوں باتوں میں بگڑ جاتا تھا وہ
نفس پر اپنے نہ کر سکتا تھا جبر نام کو اس میں تحمل تھا نہ صبر
دل پہ قابو زینہار اس کو نہ تھا اور زباں پر اختیار اس کو نہ تھا
جو وہ کرتا تھا اسے بھرتے تھے سب اس سے چھوٹے اور بڑے ڈرتے تھے سب
اصل میں کچھ بد نہ تھی اس کی سرشت کر دیئے تھے جہل نے اطوار زشت
گو نہ مطلق آدمیت اس میں تھی پر جھلکتی قابلیت اس میں تھی
بد چلن تھا پر نہ تھی طینت بری فطرت اچھی تھی مگر عادت بری
چڑھ رہا تھا اس پہ بد صحبت کا رنگ لگ رہا تھا روشن آئینہ کو زنگ
ذات میں اس کی شرارت تھی نہ شر ہو گیا تھا بد بدوں میں بیٹھ کر

جب گئی حالت بگڑ حد سے سوا
آ گیا دم ناک میں ماں باپ کا

باپ نے اک روز گھر میں بیٹھ کر یوں کہا بیٹے سے اے جانِ پدر

یاد ہیں وہ دن بھی تم کو یا نہیں — جب کہ یہ رعنائیاں تم میں نہ تھیں
جب خبر اپنی نہ تھی کچھ آپ کو — جانتے تھے تم نہ ماں اور باپ کو
پاسباں تھے آپ کے ماں باپ جب — گوشت کا اک لوتھڑا تھے آپ جب
ہاتھ اور بازو یہ سب بیکار تھے — سخت بے بس تھے تم اور لاچار تھے
آنکھ سے چیپڑ اچھڑا سکتے نہ تھے — منہ سے مکھی تک اڑا سکتے نہیں
آگ پانی میں نہ تھی تم کو تمیز — تھا تمھیں زہر اور امرت ایک چیز
دل کا کہہ سکتے نہ تھے تم مدعا — جانتے تھے کچھ نہ رونے کے سوا
بھوکے یا پیاسے اگر ہوتے تھے تم — کچھ نہ کہتے تھے مگر روتے تھے تم
ہم سمجھ لیتے تھے لیکن مدعا — بھوک کا رونا ہے یا ہے پیاس کا
پیاس میں مضطر جو پاتے تھے تمھیں — بن کہے پانی پلاتے تھے تمھیں
بھوک میں گر دیکھتے تھے بیقرار — دودھ تھے تم کو پلاتے بار بار
روپ سے تھے معلوم سارے آپ کے — ہم سمجھتے تھے اشارے آپ کے
تم کو کچھ تکلیف ہوتی تھی اگر — خود بخود تھی دل کو ہو جاتی خبر
چین ہو جاتا تھا سارا برطرف — پھرتے تھے بیتاب دوڑے ہر طرف
ہوتے تھے بیمار دراز حال جب — رات دن سہتی تھی ماں رنج و تعب

جلد ۳

بارہا آنکھوں میں کٹ جاتی تھی رات اِک بلا آتی تھی جب آتی تھی رات
ناز اُٹھاتے تھے طبیبوں کے سدا ڈھونڈتے پھرتے تھے شربت اور دوا
عامل اور سیانوں نے جو مانگا دیا مُنہ نہ پیسے کا کبھی ہم نے کیا
چاہتے تھے تم کو خوش آٹھوں پہر تم پسوتے اور بنی یاں جان پر
ہم پہ گزریں کیسی کیسی سختیاں گزریں دشمن پر نہ ایسی سختیاں

آئیگی خدمت ہماری یاد جب
ہوگے تم خود صاحبِ اولاد جب

سِن تمہارا جب زیادہ کچھ ہوا پھر پڑھانے کا ارادہ کچھ ہوا
اِک مُعلّم رکھا اور اک خوشنویس یاد ہوگی تم کو ان دونوں کی فیس
گرچہ تھی تاکید دونوں کی شدید پر نہ دی تم نے کبھی ان کو رسید
تم کو کب فرصت تھی کود اور پھاند سے بھاگتے تھے تم نوشت اور خواند سے
مُفت کی تنخواہ وہ پاتے رہے نام کو ہر روز یاں آتے رہے

تم نے آخر جب نہ کچھ پڑھ کر دیا
دے کے کچھ دونوں کو رخصت کردیا

جب ہوئے فضلِ الٰہی سے جواں سر پہ شادی کا چڑھا بارِ گراں

منگنیاں ہوتی ہیں اکثر قوم میں — بیاہ ہوتے ہیں برابر قوم میں
کچھ بہت درکار زیور ہے نہ نقد — ہوتے اک شربت کے پیالے پر ہیں عقد
گر کفایت سوچتے کچھ خرچ میں — بیاہ دیتے یوں ہی ہم بھی تمھیں
اپنے دل میں پر یہی ہم نے کہا — ایک بیٹا اور وہ بھی لاڈلا
گو تمام املاک بک جائے مگر — خرچ کیجئے بیاہ میں دل کھول کر
کی اگر یاں بھی کفایت پر نگاہ — اور ہم کو کون سے کرنے ہیں بیاہ
وقت یہ آتے نہیں پھر بار بار — کل خزاں ہے آج اگر یاں ہے بہار
ہے فراغت اور عسرت ساتھ ساتھ — کرلیں کچھ ہم بھی کہ اب چلتا ہے ہاتھ
ٹھان کر یہ جی میں دی شادی رچا — اپنے سے جو ہو سکا سب کچھ کیا
کی نہ دینے میں کفایت پر نظر — جس کو دینا تھا دیا دل کھول کر
اگلی اور پچھلی پرانی اور نئی — شہر کی املاک ساری بک گئی
رہن تھے جو گاؤں شادی میں کیے — آج تک بے چین ہوں ان کے لیے
ہے بہت ان کے چھڑانے کا خیال — پر بظاہر ان کا چھٹنا ہے محال
مال اور جان سے زیادہ کوئی چیز — آدمی کو یاں نہیں ہوتی عزیز
جان سی بھی ہم نے ہے خدمت گزار — مال بھی ہم نے کیا تم پر نثار

تم نے جو چاہا کھلایا وہ تمھیں ‏ ‏ ‏ تم نے جو مانگا پہنایا وہ تمہیں
گھوڑے چڑھنے کے لیے تم کو دیئے ‏ ‏ ‏ رکھے خدمتگار خدمت کے لیے

خوب تم نے قدر کی ماں باپ کی
خوب خدمت کی ہماری داد دی

باپ کا تم کو ادب اصلا نہیں ‏ ‏ ‏ ماں کی خدمت کی تمھیں پروا نہیں
گھر میں دو دو دن نہیں آتے ہو تم ‏ ‏ ‏ آتے ہو اِک اُک سے لڑ جاتے ہو تم
لوگ شاکی ہیں تمہارے جابجا ‏ ‏ ‏ خود بُرا کہہ کے سُنتے ہو بُرا
ہم پہ سب ہنستے ہیں اشراف و رذیل ‏ ‏ ‏ کر دیا تم نے تو ہم کو بھی ذلیل
کر چکا تھا قرض پہلے ہی زبوں ‏ ‏ ‏ اور تم نے کر دیا عزّت کا خوں
مُنہ نہیں ہوتا کسی کے روبرو ‏ ‏ ‏ خاک میں تم نے ملا دی آبرو
باپ کا تم جانتے ہو اپنے حال ‏ ‏ ‏ قرض میں جکڑا ہوا ہے بال بال
ہاتھ میں زر ہے نہ بازو میں ہے زور ‏ ‏ ‏ مار کر فکروں نے کر ڈالا ہے بھور
کام کی باقی نہیں اپنے میں تاب ‏ ‏ ‏ مدّتوں سے دے چکی ہمّت جواب
آپ میں ہوتا اگر کچھ حوصلہ ‏ ‏ ‏ آدمیت کا تھا اب یہ مقتضا
سر پہ لیتے اپنے گھر کا بوجھ تک ‏ ‏ ‏ باپ کو فکروں سے کر دیتے سبک

ہم رہے ہیں جیسے فدا تم پر مدام　　تم بڑھاپے میں ہمارے آتے کام

ہم بھی یاں سُکھ پاتے کچھ اولاد کا

نام چلتا دیکھتے اجداد کا

خیر اب ہم کو تو یاں رہنا ہے کم　　کوئی دن کے اور ہیں مہمان ہم

پر تمہیں ہے کاٹنی اک عمر یاں　　ہو ابھی فضلِ الٰہی سے جوان

اب بھی اپنی حرکتوں سے باز آؤ　　ڈھیل پر بازیٔ دوراں کی نہ جاؤ

بس گئیں حد سے گزر رسوائیاں　　کب تلک آخر یہ بے پروائیاں

ناز و نعمت کا زمانہ ہو چکا　　خواب و غفلت کا زمانہ ہو چکا

گردشِ گردوں ہے ہر دم گھات میں　　شاطرِ دوراں ہے فکرِ مات میں

ہاتھ سے جا کر نہیں آتا ہے وقت　　دیکھو بھائی ہاتھ سے جاتا ہے وقت

گر رہے اب بھی یونہی تم نادرست　　خود زمانہ تم کو کر دے گا درست

گردشیں دینگی نکال اک ایک بل　　ٹھوکریں کھا کھا کے جاؤ گے سنبھل

پھر سنبھلنا واں یہ کس کام آئے گا　　جب سنبھلنے سے نہ سنبھلا جائیگا

ہوگی اُڑنے کی ہوس تم کو مگر　　ہوں گے اُڑنے کو نہ اس دم بال و پر

عقل ہوگی پر نہ ہوگا اقتدار　　عزم ہوگا پر نہ ہوگا اختیار

جب کہ گیتی رنگ یہ دکھلائے گی
تب ملامت باپ کی یاد آئے گی

جلد۲۱

حالی

۷۸۔ آصف الدولہ کی سخاوت

در و دروازہ یوں ہو اب کس کا — کہ نہ واں پیل و پیلباں ہوئے
خوانِ نعمت نہیں ہو ایک کا یوں — جس پہ تا سو نہ میہماں ہووے
عیش و عشرت سے ہو سدا دمساز — پیر ہو کوئی یا جواں ہووے
ہو جو کچھ جس کے گنے ہے اس کی عطا — آصف الدولہ او جہاں ہوئے
دیکھکر جس کو خلق بولے ہو — تو ہو اور عمر جاوداں ہووے
تجھ سا آفاق میں ہو جب ممدوح — اور سودا سا مدح خواں ہوئے
نہیں شایاں کہ عرض مطلب کی
اس کے ہر بار بر زباں ہوئے

سودا

جلد۳

۷۹ ـ عدلِ جہانگیری

قصرِ شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گزر / ایک دن "نور جہاں" بام پہ تھی جلوہ فگن
کوئی شامت زدہ، رہ گیر اُدھر آ نکلا / گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن
غیرتِ حُسن سے بیگم نے طمنچہ مارا / خاک پر ڈھیر تھا اک کشتۂ بے گور و کفن

ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہنچی جو خبر / غیظ سے آگئی ابروئے عدالت پہ شکن!
حکم بھیجا کہ کنیزانِ شبستانِ شہی / جا کے پوچھ آئیں کہ سچ یا کہ غلط ہے یہ سخن؟

نخوتِ حُسن سے بیگم نے بصد ناز کہا / "میری جانب سے کرو عرض بہ آئینِ حَسَن"
ہاں مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں / مجھ سے ناموسِ حیا نے یہ کہا تھا کہ "بزن"
اُسکی گستاخ نگاہی نے کیا اُس کو ہلاک / کشورِ حُسن میں جاری ہے یہی شرعِ کہن"

مفتیِ دیں سے جہانگیر نے فتویٰ پوچھا / کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن
مفتیِ دیں نے یہ بے خوف و خطر صاف کہا / "شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اُڑا دو گردن"
لوگ اس حکم سے دربار میں تھرّا اُٹھے / پر جہانگیر کے ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن
ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جا کر / "پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسن!
پھر اسی طرح اُسے کھینچ کے باہر لائیں! / اور جلّاد کو دیں حکم کہ ہاں "تیغ بزن"

یہ وہی نورِ جہاں ہے کہ حقیقت میں یہی
تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہِ زمن

اُس کی پیشانیٔ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ
جا کے بنجاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن

اب نہ وہ نورِ جہاں ہے نہ وہ اندازِ غرور
نہ وہ غمزے ہیں نہ وہ عربدۂ صبر شکن

اب وہی پاؤں ہر اک گام پہ تھراتے تھے
جن کی رفتار سے پامال تھے مرغانِ چمن

ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع
ایک بیکس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن!

خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام
خوں بہا بھی تو شریعت میں ہے اک امرِ حسن

مفتیٔ شرع سے پھر شاہ نے فتویٰ پوچھا
بولے جائز ہے رضامند ہوں گر بچہ و زن

وارثوں کو جو دیئے لاکھ درم بیگم نے
سب نے دربار میں کی عرض کہ ای شاہِ زمن

ہم کو مقتول کا لینا نہیں منظور قصاص
قتل کا حکم جو رک جائے تو ہے مستحسن

ہو چکا جبکہ شہنشاہ کو پورا یہ یقین
کہ نہیں اس میں کوئی شائبہ حیلہ و فن

اُٹھ کے دربار سے آہستہ چلے سوئے حرم
تھی جہاں نورِ جہاں معتکفِ بیتِ حزن

دفعتاً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا
تو اگر کشتہ شدی، آہ! چہ میکردم من!

شبلی

جلد ۳

۸۰- نوحۂ ہند

(۱۸۵۷ء کی شورش اور شامتِ اعمال)

گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں دل کو میرے قرار ہے
کروں غم ستم کا میں کیا بیاں مرا سینہ غم سے فگار ہے
دلے شہر دہلی یہ تھا چمن کہ تھا سب طرح کا یہاں امن
وہ خطاب اس کا تو مٹ گیا فقط اب تو اجڑا دیار ہے
شب و روز پھولوں میں جو تلیں وہ یوں خار غم سے فگار ہوں
ملے طوق قید میں جب انہیں کہیں بدلے گل کے یہ خار ہے
جو سلوک اوروں سے کرتے تھے وہی اب ہیں کتنے ذلیل و خوار
وہ ہیں تنگ چرخ کے جور سے رہا تن پہ ان کے نہ تار ہے
یہ زمانہ ہے وہ برا فلک چلو بچ کے سب سے الگ الگ
نہ رفیق کوئی کسی کا یاں نہ کسی کا کوئی بھی یار ہے
کیا حسامی ڈر تجھے حشر کا جو خدا رکھے تجھے برملا
تجھے ہے وسیلہ رسول کا وہی تیرا حامیِ کار ہے حسامی

۸۱ - نوحۂ دہلی

جلد ۳

تذکرہ دہلیِ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سُنا جائیگا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

داستان گُل کی خزاں میں نہ سنا اے بلبل
ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رُلانا ہرگز

ڈھونڈتا ہے دلِ شوریدہ بہانے مطرب
دردانگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز

صحبتیں اگلی مصوّر ہمیں یاد آئیں گی
کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز

لیکے داغ آئیگا سینہ پہ بہت اے سیّاح
دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز

چپّے چپّے پہ ہیں یاں گوہرِ یکتا تہِ خاک
دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز

مِٹ گئے تیرے مٹانے کے نشاں بھی اب تو
اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز

کبھی اے علم و ہنر گھر تھا تمھارا دلّی
ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز

کر دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو
ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانہ ہرگز

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر
اب نہ دیکھو گے کبھی لطفِ شبانہ ہرگز

بزمِ ماتم تو نہیں۔ بزمِ سخن ہے حالی
یہاں مناسب نہیں رو رو کے رولانا ہرگز

حالی

۸۲- دہلی کی آخری دھوم

اے جہان آباد اے اسلام کے دار العلوم — اے کہ تھی علم و ہنر کی تیرے اک عالم میں دھوم
تھے ہنرور تجھ میں اتنے جتنے گردوں پہ نجوم — تھا افاضہ تیرا جاری ہند سے تا شام و روم

زیب دیتا تھا لقب تجھ کو جہان آباد کا
نام روشن تجھ سے تھا غرناطہ و بغداد کا

تیری طینت میں ودیعت تھا مذاقِ علم دیں — جیسے امی تجھ میں تھے عالم نہ تھے ایسے کہیں
ہند میں جو تھا محدث وہ ترا تھا خوشہ چیں — تھی محدث خیز اے پایۂ تخت تیری سرزمیں

تھا تفقہ بھی مسلّم تیری خاکِ پاک کا
بیہقیِ وقت تھا ایک اک فقیہ اس خاک کا

شاذ و نادر تھا تصوّف میں کوئی تیرا نظیر — آب و گل کا تیری تھا گویا تصوف سے خمیر
تیرے کھنڈروں میں پڑے سوتے ہیں وہ مہرِ منیر — تھا کبھی انوار سے جن کے زمانہ مستنیر

آج جس دولت کا بازارِ جہاں میں کال ہے
تیرا قبرستان اس دولت سے مالا مال ہے

طب میں گو یونانیوں کا سب سے آگے تھا قدم — آن کر اس نے لیا تھا دوسرا تجھ میں جنم

جب کہ تو آباد تھا دنیا میں اے باغ ارم — بھرتے تھے تیرے اطبا بھی مسیحائی کا دم
جلد۳

ہند میں جاری تجھی سے طب یونانی ہوئی

شہر شہر اس جنس کی یاں تجھ سے ارزانی ہوئی

خاک سے اٹھے ہیں تیری جیسے جیسے نکتہ ور — اک جہاں شیوہ بیانی سے ہے ان کی باخبر

راس تھی آب و ہوا تیرے سخن کو جس قدر — سرو کو ہوگی نہ راس اتنی ہوائے غاتفر

حسن صورت میں اگر ضرب المثل نوشاد تھا

حسن معنی تیرا حصہ اے جہان آباد تھا

لیکے ساتھ اسلام نکلا تھا عرب سے جو علوم — جن میں تھی اسلامیوں کی چار سو عالم میں دھوم

دولت و اقبال کا جن کے ہا تجھ پہ ہجوم — کھیتیوں پر تیری ابر آتے تھے انکے جھوم جھوم

آئی گلشن میں نہ تیرے بھول کر فصل خزاں

تیری سرحد میں رہا ہے علم و دانش کا سماں

جس طرح تھا فضل و دانش میں ترا مشہور نام — تھے تمدن میں بھی پیرو تیرے جمہور انام

آدمیت سیکھنے آتے تھے تجھ سے خاص و عام — شہری و بدوی تری تقلید کرتے تھے مدام

رسم میں آئین میں اوضاع میں اطوار میں

طرز میں انداز میں رفتار میں گفتار میں

رہ گیا باہر سے آکر جو کہ تجھ میں چند سال ڈھل گئے سانچے میں گویا اس کے عادات اور خصال
آکے بن جاتا تھا یہاں نقصان انسان کا کمال تیرے رجھاویں سے موتی بنکے جاتے تھے سفال

آتے ہی انسان کی کایا پلٹ جاتی تھی یہاں
چار دن میں اور ہی صورت نکل آتی تھی یہاں

تیرا معمورہ تھا اک عالم کا مرجع اور مآب آن کر لیتے تھے یہاں ٹھیکے جہاں کے انتخاب
بستے تھے اطراف سے آکے تجھ میں شیخ و شاب کر دیا تھا تیری آبادی نے ملکوں کو خراب

جمگھٹا تھا تجھ میں ترک و فرس و در دم و زنگ کا
دستہ تھا گویا کہ تو گلہائے رنگا رنگ کا

لیکن آخر طبع دوراں کا ہے جیسے اقتضا ہر ترقی کی ہے حد ہر ابتدا کی انتہا
جبکہ دورہ اپنا تو دنیا میں پورا کر چکا وقت اے جانِ جہاں تیرا بھی آخر آ لگا

گردشِ افلاک کے ہونے لگے تجھ پر بھی وار
تیرے گلشن سے بھی کوچ آخر لگی کرنے بہار

تجھ پہ اے دار الخلافت انقلاب آنے لگے غیب سے تجھ کو تباہی کے خطاب آنے لگے
طالع مشفق کے پیغامِ عتاب آنے لگے تیرہ بختی کے نظر یاروں کو خواب آنے لگے

جلد ۳

دولت و اقبال کا بندھنے لگا رختِ سفر
تجھ سے اے دار العلوم اُٹھنے لگا علم و ہنر

ہو گئے تیرے محدث راہی دار السلام گر گئے دنیا سے رحلت تیری مفتی اور امام
ہو گیا رخصت جہاں سے تیرا جاہ و احتشام رفتہ رفتہ ہو گئی سب صحبتیں تیری تمام

مجلسیں برہم ہوئیں زیر و زبر دیواں ہوئے
خانقاہیں بے چراغ اور مدرسے ویراں ہوئے

چل دیے نوبت بہ نوبت تیری شاعر اور ادیب مٹ گئی تیری طبابت چھٹ گئے تیرے طبیب
جاگ جاگ آخر سدا کو سو گئے تیرے نصیب اس گلستاں سے نہ اُٹھی پر صدائے عندلیب

جس کو کھو بیٹھے نظیر اس کا کہیں پایا نہ پھر
جو گیا اس کا کوئی قائم مقام آیا نہ پھر

کر گئے آداب اور اخلاق سب تجھ سے سفر گر گیا نظروں سے تیرا سب جلال و جاہ و فر
جھڑ گئے تاج شرف سے تیرے سب لعل و گہر تجھ کو اے دار الخلافت کھا گئی کس کی نظر

علم ہے باقی نہ اب دولت ہی تیری پاس وہ
اے گلِ پژمردہ تیری کیا ہوئی بو باس وہ

دورِ آخر میں کہ تیرا تیل تھا سب جل گیا بُجھتے بُجھتے تھا کچھ اک تو نے سنبھالا سا لیا

جلد ۳

خاک نے یہاں تیری پھر اُگلے وہ لعل بے بہا — جن سے روشن ہو گیا کچھ دن کو نام اسلاف کا

عہد ماضی کا سماں آنکھوں میں سب کی چھا گیا
خواب جو بھولا ہوا مدت کا تھا یاد آ گیا

جاہ و مکنت قوم کی گو تجھ میں کچھ باقی نہ تھی — پر نہ کی عرض ہنر میں تو نے اب بھی کچھ کمی
اس بزرگی سے گزاری تیرھویں تو نے صدی — پھیر دی آنکھوں میں پھر تصویر دور اکبری

علم دین و شعر و حکمت طب و تاریخ و نجوم
ڈال دی پھر اپنی تو نے چار سو عالم میں دھوم

ملک میں گو سو ہی پھر دور دورہ تھا ترا — تھا جہاں علم و ہنر کو ڈنکا بالا تھا ترا
تھی جہاں کچھ روشنی وہ سب اُجالا تھا ترا — پھر جو دیکھا غور سے وہ اک سنبھالا تھا ترا

چاند نکلا تھا گہن سے جو وہ پھر گہنا گیا
چار دن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا چھا گیا

علم والے علم کے دریا بہا کر چل دیئے — واعظان قوم سوتوں کو جگا کر چل دیئے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیئے — کچھ مسیحا تھے کہ مُردوں کو جلا کر چل دیئے

ایک تختہ رہ گیا تھا تیری ٹوٹی ناؤ کا
لے گئی سیل فنا اس کو بھی اے دلی بہا

جا چکی تھی تجھ سے گو اے شہر عظمت قوم کی	ہو چکی تھی آبرو مدت سے رخصت قوم کی
جلد ۳ پر کچھ اک محمود خاں کے دم سے تھی پت قوم کی	اُٹھ گیا وہ بھی جہاں سے آہ قسمت قوم کی

کیا دکھا کر اب دلائے گا سلف کو یاد تو
ناز اب کس پر کریگا اے جہاں آباد تو

تجھ میں ہے دلی کوئی اب ایسا مقبول جہاں	نازش دار الخلافت مرجع ہندوستاں
ہند سے لے تا عرب کشمیر سے تا انڈمان	بچہ بچہ کی زباں پر نام ہے جس کا رواں

نیم جانوں کا مسیحا اور غریبوں کا طبیب
خود حکیموں کا معالج اور طبیبوں کا طبیب

ہے کوئی اب تجھ میں ہیرو ایسا یکتائے زماں	واقعات زندگی کیجیے گر اس کے بیاں
سمجھیں اک افسانہ ناواقف اسے اور داستاں	تھی تعجب خیز الحق سیرت محمود خاں

یا وہ اک جوہر الگ تھا جوہر انسان سے
یا نکلتے اب نہیں ایسے جواہر کان سے

اس کا تھا دیوانخانہ ملک کا دار الشفا	خلق کا دن رات رہتا تھا جہاں تانتا بندھا
مفت بیماروں کو اس کے در سے ملتی تھی دوا	فکر نذرانہ کا تھا ان کو نہ شکرانہ کا تھا

اس کے استغنا سے جھک جاتا تھا سر مغرور کا
اور عنایت سے کنول جاتا تھا کھل مزدور کا

بے حقیقت اس نے سمجھا مال و دولت کو سدا — تھے برابر اس کے نزدیک اغنیا اور بینوا
گو طبیب اور ڈاکٹر تھے شہر میں بے انتہا — کوئی مفلس کا نہ تھا پرسان حال اس کے سوا

کرتے ہیں جو دعوئے ہمدردی نوع بشر
اس نے باطل کر دیئے تھے ان کے دعوی سربسر

طب مسلمانوں کی لی اس کی مسیحائی نے تھام — ورنہ اب تک اس کی ترکی ہو چکی ہوتی تمام
رونق طب جدید اور اس پہ میل خاص و عام — درسگاہوں ور دواخانوں کا اس کے انتظام

دیکھ کر تھا اک زمانہ اس کی خوبی کا مقر
طب یونانی گئی تھی خلق کی نظروں سے گر

سرجنوں کے دیکھ دیکھ آلات و اعمال و حیل — آگیا تھا رائے میں زود اعتقادوں کے خلل
دیں مگر اس کی مسیحائی نے سب رائیں بدل — طب یونانی گئی کچھ دن کو پھر گر کر سنبھل

سلطنت اور عقل تھی جس فوج کی ہمت فزا
ایک طاقت اس حملوں سے ہوئی عہدہ برآ

رک جاتے تھے شفاخانوں میں خاص و عام سب — پڑ الجھ جاتے تھے سخت امراض میں بیمار جب

خلق کا پھر ملجا و ماویٰ اسی کا تھا مطب   اس کے بیماروں کو گو مایوس ہوں یا جاں بلب
جلد ۳
سوءِ تدبیر و معالج کی خطا کا ڈر نہ تھا
موت کا ڈر تھا مگر مہلک دوا کا ڈر نہ تھا

رکھتے ہیں آلات پہ سرجن بھروسا جس قدر   کرتے ہیں معلوم جو جو ان سے امراض بشر
وہ بتا دیتا تھا سب کچھ رکھ کے انگلی نبض پر   اس کی اک انگلی پہ تھے قربان سو تھرمامیٹر
نارسا تھیں دوربینیں اہل صنعت کی جہاں
جا پہنچتی تھی نگاہِ دوربیں اس کی وہاں

شہر کے سب مرد و زن پیر و جواں خرد و کلاں   تھے قوی پشت اس سے ایسی جیسی پشتہ سے مکاں
جس کو نسخہ دیدیا لکھ کر وہ یہ سمجھا کہ ہاں   زندگانی کی ابھی کچھ اور دن باقی ہیں یہاں
گو کہ ماتم ملک میں ہر سو ہے اس کا آجکل
پر گئی اے شہر تیری جان ہی گویا نکل

کیا عجب پیدا ہوں پھر ایسے طبیب اور چارہ گر   جو کہ تشخیص مرض میں رکھتے ہوں غائر نظر
خلق کو تکیہ ہو جن کی رائے اور تدبیر پر   شہر میں ہوں مرجع کل خلق میں ہوں نامور
جمع ہوں محمود خاں کی ذات میں ان کے کمال
ہے یہ سب ممکن مگر محمود خاں ملنا محال

اِتی اور راستبازی اسکی تھی ضرب المثل — اس کے کاموں میں ریا تھی اور نہ باتوں میں دغل

تحاں کیوقت جب تھا نظم عالم میں خلل — راستبازوں کی گئی تھی ٹھیک جب ہر سو نکل جلد۳

کھوٹ سے اس آنچ میں نکلا وہ خالص اس طرح

آگ میں تپ کر کھرا رہتا ہے کُندن جس طرح

وہ زمانہ جبکہ تھا دلی میں اک محشر بپا — نفسی نفسی کا تھا چاروں طرف غل پڑ رہا

اپنے اپنے حال میں تھا مبتلا چھوٹا بڑا — باپ سے فرزند اور بھائی سے بھائی تھا جُدا

موجزن تھا جبکہ دریائے عتاب ذوالجلال

باغیوں کے ظلم کا دنیا پہ نازل تھا وبال

دیکھ کر یاروں کی جب آنکھیں چرا جاتے تھے یار — ساتھ دیتا تھا کسی کا موت سے ہوتا دوچار

سے یار آشنا سے آشنا تھے شرمسار — شہر میں تھی چار سو گویا قیامت آشکار

آگ تھی اک مشتعل ایسی کہ تھا جس سے خطر

جل نہ جائیں اس کے شعلہ سے کہیں سب خشک و تر

ہو رہا تھا جبکہ کھوٹے اور کھرے کا امتحان — کر رہا تھا اپنے جوہر خاک کا پتلا عیاں

ایک جانب تھی اگر خندق تو اک جانب کنواں — بال سے باریک تر تھی راہ ان کے درمیاں

راہبر و گدا میں تھے اور راہ پر خوف و خطر
اس نے دکھلایا کہ یوں چلتے ہیں سیدھی راہ پر

مجرم و بے جرم میں تھا حاکموں کو اشتباہ
عدل تھا مجرم کا دشمن اور بری کا عذر خواہ

مجرموں کی جرم پر دیوار تھے سب گواہ
پر نہ تھا کوئی شفیع انکا کہ جو تھے بیگناہ

ایسے نازک وقت میں مردانگی جو اس نے کی
اہل انصاف اس کو بھولے ہیں نہ بھولیں گے کبھی

بالیقیں جن ملزموں کو اس نے سمجھا بے خطا
مارشل لا میں ثبوت ان کی صفائی کا دیا

چین سے بیٹھا نہ جبتک ہو گیا اک اک رہا
جو کہ تھے نادار کی ان کی اعانت برملا

زر دیا کھانا دیا کپڑا دیا بستر دیا
بے ٹھکانوں کو ٹھکانا بے گھروں کو گھر دیا

قصے جھگڑوں میں کبھی پڑنے کی خو جسکی نہ تھی
دی گواہی جس نے ہرگز جھوٹی یا سچی نہ تھی

جس نے صورت تک عدالت کی کبھی دیکھی نہ تھی
ہاتھ سے جس نے بڑوں کی آن اب تک دی نہ تھی

بے گناہوں کے لیے وہ رات دن چکر میں تھا
پاؤں ایک اس کا عدالت میں تھا اور اک گھر میں تھا

جبکہ عنقا تھی دیانت بین ابنائے زماں
تھی امانت جسکی اسکے پاس ہلکی یا گراں

...ون میں پاس اپنے رکھا اس کو مثلِ پاسباں   کی حوالے مالکوں کے جب ہوا امن و اماں

جلد٣

ایک عالم ناخداترسی میں جب بیباک تھا
اس کا دامن تھا کہ ہر دھبّے سے بالکل پاک تھا

...وضعداری میں نہ تھا اس کا زمانہ میں بدل   وضع میں اس کی تغیر تھا نہ عادت میں خلل
...وقت کی تاثیر کا اسیر نہ چلتا تھا عمل   انقلابِ دہر کی زد سے گیا تھا وہ نکل
اس کے آگے ان نئے سانگوں کی کچھ ہستی نہ تھی
اس پہ چلتی کچھ زمانہ کی زبردستی نہ تھی

...کی تھی جو بچپن سے طرزِ زندگانی اختیار   اس میں فرق آیا نہ وقتِ واپسیں تک زینہار
...کوہ راسخ کی طرح تھا ایک حالت پر قرار   وضع اس کی جو کہ تھی وضعِ سلف کی یادگار
قوم کی اریا درفتہ خواب کی تعبیر تھی
عہد عالمگیر و اکبر شاہ کی تصویر تھی

...سر پہ دنیا کے علائق کا تھا گو بارِ گراں   پہ ہر اک حالت میں ہلکی پھول سی ہستی تھی جاں
...گل دنیا میں پہ دنیا کے غم سے برگراں   رنج ہو یا ہو خوشی جب جا کے دیکھو شادماں
ظاہراً پابند تھا دنیا کی رسم و راہ کا
دل مگر پایا تھا ایسا جیسا اہل اللہ کا

منقبض اسکو نہ مکروہات میں پایا کبھی　　غم سے دنیا کے نہ پیشانی پہ چیں لایا کبھی
جلد ۳
دل کسی باد مخالف سے نہ کملایا کبھی　　تلخیٔ دوراں سی چتون پر نہ بل آیا کبھی

کی بسر دار المحن میں بزم عشرت کی طرح
عمر کاٹی دوزخ دنیا میں جنت کی طرح

مٹ گئی افسوس اک ایسی سلف کی یادگار　　قوم میں جس کی مثال آیندہ کم دیکھیں گے یار
گل کھلائیگی نئے گلشن میں اب باد بہار　　رنگ ہوگا جس میں لیکن بو نہو گی زینہار

کرتے ہیں جب ان حوادث کے نظر انجام پر
قوم میں اک ہم کو سناٹا سا آتا ہے نظر

اک زمانہ تھا کہ تھا ہم سی موافق روزگار　　اہل علم و فضل و دانش کا نہ تھا ہم میں شمار
ایسے حاصل خیز دنیا میں نہونگے کشت زار　　جیسے مردم خیز تھی اسلام کی شہر و دیار

مرتا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یہاں
سورج آتا تھا نکل جب چاند چھپ جاتا تھا یہاں

پایہ اب پہنچی ہی ہم میں نوبت قحط الرجال　　ایک اٹھ جاتا ہی دنیا سی اگر صاحب کمال
دوسری ملتی نہیں دنیا میں پھر اسکی مثال　　ذات باری کی طرح گویا کہ تھا وہ بیمثال

جلد ۳

ظاہر اب وقت آخر ہے ہماری قوم کا

مرثیہ ہے ایک کا اب نوحہ ساری قوم کا

سنتے ہیں حالیؔ سخن میں تھی بہت وسعت کبھی   تھیں سخنور کے لئے چاروں طرف راہیں کھلی

داستاں کوئی بیاں کرتا تھا حسن و عشق کی   اور تصوف کا سخن میں رنگ بھرتا تھا کوئی

گاہ غزلیں لکھ کے دل یاروں کے گرماتے تھے لوگ

گہ قصیدے پڑھ کے خلعت اور صلے پاتے تھے لوگ

رہی ہم کو مجال نغمہ اس محفل میں کم   راگنی نے وقت کی لینے دیا ہم کو نہ دم

نالہ و فریاد کا ٹوٹا کہیں جا کر نہ سم   کوئی یہاں رنگیں ترانہ چھیڑنے پائے نہ ہم

سینہ کوبی میں رہے جبتک کہ دم میں دم رہا

ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

حالی

غزل

صبا میں نکہت گیسوئے یار آتی ہے   نوید وصل لئے نوبہار آتی ہے

وہ ایک بار ادھر سے گئے مگر اب تک   ہوائے رحمت پروردگار آتی ہے

سمائے ہیں وہ آنکھوں میں دل میں رہتے ہیں   بغیر کس لیئے تو جانِ زار آتی ہے
نہ آئے وہ نہ گئے ہم کبھی تو کیا حاصل   ہزار جاتی ہے دنیا ہزار آتی ہے
کشود کار ہنوز اس سے کیا مگر ہر صبح   مری دعا ترے در پر پکار آتی ہے
خدا کے فضل پہ یہ اعتماد ہے مجھکو   کہ یاس بن کے یہاں انتظار آتی ہے
خزاں کی بہ جاتے ہی آئیگی فصلِ گل لیکن   ہوا کے گھوڑے پہ وہ بھی سوار آتی ہے
خدا ہی خیر کرے فصلِ گل کی او بلبل   صبا اڑاتی ہوئی کچھ غبار آتی ہے
یہ لطفِ بادہ فروشاں ہی فاقہ مستی ہیں   کئی برس سی برابر اُدھار آتی ہے
اِدھر سے جاتی ہی جو شئے دہاں ہیں کی ہی   اُدھر سے آتی ہی جو مستعار آتی ہے

دم اخیر مجھے بینظیر مت چھیڑو
کہ نیند اب مجھے بے اختیار آتی ہے

بینظیر

۸۳۔ شہر آشوب

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جواں ہی   دعوی نہ کرے یہ کہ مرے مُنہ میں زباں ہی
میں حضرتِ سودا کو سنا بولتے یارو   اللہ رے اللہ ہی کیا نظمِ بیاں ہی

اتنا میں کیا عرض کہ فرمائیے حضرت — آرام سے کٹنے کی طرح کوئی بھی یہاں ہے

جلد ۳

سن کے یہ لگے کہنے کہ خاموش ہی اچھا — اس امر میں قاصر تو فرشتے کی زبان ہے

کیا کیا میں بتاؤں کہ زمانہ کی کٹی شکل

ہے وجہ معاش اپنی سو جس کا یہ بیان ہے

گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی — تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشاں ہے

گزرے ہے سدا یوں علف و دانہ کی خاطر — شمشیر جو گھر میں تو سپر بنئے کے یہاں ہے

ثابت ہو جو دگلا تو نہیں موزوں میں کچھ حال — تیروں میں ہے پر گیری تو بے چلہ کماں ہے

کہتا ہے نفر غرہ کو صراف سے جا کر — بی بی نے تو کچھ کھایا ہے فاقہ سے میاں ہے

یہ سن کے دیا کچھ تو ہوئی عید و گرنہ — شوال بھی پھر ماہ مبارک رمضاں ہے

اس رنج سے جب چڑھ گئے چھتیس مہینے — تنخواہ کا پھر بٹنا اسی شکل سے یہاں ہے

لیتے ہیں یا یں روسیہی وہ تو دو ماہہ — ٹک دھونس ڈہر کے کی جنھیں تاب و تواں ہے

اور وہ جو ہیں کمزور وہاں آن کے بیٹھیں — رہتی کے جو آگے کی یہ ہر ایک دکاں ہے

اٹھ اٹھ کے دکھاتے ہیں انھیں حال وہ اپنا

دربار رہ و اس عہد میں جو خرد و کلاں ہے

صیغہ یہ طبابت کے بھلا آدمی نوکر — سو دو سو روپیہ کا جو کسی عمدہ کے ہاں ہے

صحبت ہے یہ اس سے اگر آقا کے تئیں چھینک — آوے تو وہ اس کو نجشونت نگراں ہے
اور ما حضر اوپر جو وہ نواب کو دیکھے — کھانا تو یہ کھاتے ہیں پر اس کو خفقاں ہے جلد ۳
مطبوخ میں ہے خربزہ اور آخر پرہ پر دودہ — ہے دودھ یہ مچھلی ترش اور یہ گاؤزباں ہے
یہ بھی تو نہیں ہے کہ اسی سے ہو تسلّی — اس سب یہ تفنّن کے لیے بسنی ناں ہے
اس میں جو کہیں درد اٹھا پیٹ میں ان کے — پھر بو علی سینا ہے تو وہاں ہیچداں ہے

رکھتے ہیں غرض مرگ سے لڑنے کو سپاہی
گر نوکری سمجھو یہ طبابت کی کہاں ہے

سوداگری کیجے تو ہے اس میں یہ مشقت — دکھن میں بکے وہ جو خرید صفہاں ہے
ہر صبح یہ خطرہ ہے کہ طے کیجیے منزل — ہر سال بدل وسوسۂ سود و زیاں ہے
لے جا جو کسی عمدہ کی سرکار میں دی جنس — یہ درد جو سنئے تو عجب طرفہ بیاں ہے
قیمت جو چکاتے ہیں تو اس طرح کہ تا لث — سمجھے ہے فروشندہ یہ دزدی کا گماں ہے
جب مول مشخص ہوا مرضی کے موافق — پھر بیسوں کا جاگیر کے عامل پہ نشاں ہے
پروانہ لکھا کر گئے عامل کنے جس وقت — کہتا ہے وہ بیسا ابھی مجھ پاس کہاں ہے
اودھر جو پھر آئے تو کہا جنس ہی لیجا — دیوان بیوتات یہ کہتے ہیں گراں ہے
آخر کو جو دیکھو تو نہ پیسے ہی نہ وہ جنس — ہر اک متصدی سے میاں اور تیاں ہے

جلد ۳

ناچار ہو پھر جمع ہوئے قلعہ کے آگے
جو پالکی نکلے ہے تو فریاد و فغاں ہے

گر خان و خوانین کی لے کوئی وکالت
اس کا تو بیاں کیا کروں تجھ سے کہ عیاں ہے

ہر عمدی کے دروازہ پہ زیں پوش پہ بیٹھا
پوچھے ہے اجی مرد ہی جی نواب کہاں ہے

دیوان کے بخشی کے بیوتات کے حاضر
مانند کنھیا کے جہاں دیکھو تہاں ہے

ہر بات پلٹتا ہی رہے صبح سے تا شام
پیپل کے پتوے کی طرح منہ میں زباں ہے

شاعر جو سنے جاتے ہیں مستغنی الاحوال
دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تو یاں ہے

مشتاق ملاقات انھوں کا کس و ناکس
ملنا انھیں ان سے جو فلاں ابنِ فلاں ہے

گر عید کا مسجد میں پڑھے جا کے دوگانہ
نیت قطعۂ تہنیتِ خانِ زماں ہے

تاریخ تولد کی رہے آٹھ پہر فکر
گر رحم میں بیگم کے سنے نطفۂ خاں ہے

اسقاطِ حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا
پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکیں کہاں ہے

ملّائی اگر کیجیے ملّا کی ہے یہ قدر
ہوں دو روپیہ اس کے جو کوئی مرثیہ خواں ہے

اور ما حضر اخوند کا اب کیا میں بتاؤں
یک کاسۂ دال عدس و جو کی دو ناں ہے

دن کو تو بیچارا وہ پڑھایا کیئے لڑکے — شب خرچ لکھے گھر کا اگر ہندسہ داں ہے

جلد۳ تس پر یہ ستم ہے کہ نہالی تلے اس کے — لڑکوں کی شرارت سے سدا خار نہاں ہے

بھاگے یہ عمل کر جو وہ شیطان کا لشکر — دیوال کو لے ہانھ تعاقب میں دواں ہے

اب کیجیے انصاف کہ جس کی ہو یہ اوقات
آرام جو چاہے وہ کرے وقت کہاں ہے

جس روز سے کاتب کا لکھا حال ہیں تب سے — ہر صفحۂ کاغذ یہ قلم اشک فشاں ہے

وہ بیت ٹکے سیکڑے لکھنے کو ہے موجود — خوبی میں خطاب جس کا یہ از خطِ بتاں ہے

یہ بھی ہیں تکلف ہی سے کہتا ہوں وگرنہ — آفاق میں ان چیزوں کی اب قدر کہاں ہے

دمڑی کو کتابت لکھیں دھیلے کا قبالہ
بیٹھے ہوئے وہاں میر علی چوک جہاں ہے

چاہے جو کوئی شیخ بنے بہرِ فراغت — چھٹتے ہی تو شعرا کے وہ مطعون زباں ہے

اور اس کو جو دیکھے کوئی وہ بہر معیشت — اس فکر و تردد ہی میں ہر ایک زماں ہے

پوچھے ہے مُریدوں سے یہ ہر صبح کو اُٹھکر — ہے آج کدھر عُرس کی شب روز کہاں ہے

تحقیق ہوا عرس تو کر ڈاڑھی کو کنگھی — لے خیل مُریداں گئے وہ بزم جہاں ہے

ڈھولک جو لگی بجنے تو وہاں سب کو ہوا وجد — کوئی کودے کوئی رووے کوئی نعرہ زناں ہے

بے تال ہوئے شیخ جو ٹک وجد میں آکر سرگوشیوں میں پھر بد اصولی کا بیاں ہے
گر تال سے پڑتا ہی قدم تو سبھی ہنس ہنس کہتے ہیں کوئی حال ہی یا رقصِ زناں ہے

اور ما حصل اس رنج و مشقت کا جو پوچھو
ڈالا ہوا وہاں دال نخود قلیہ و ناں ہے

سب بیٹھے ہیں تج کر جو کوئی ہو متوکل جو رُو یہ سمجھتی ہے نکھٹو یہ میاں ہے
اور بیٹی کے دل کو ہی خرافت کا تیقن بیٹے کو جنوں ہونے کا بابا کے گماں ہے
پھر جو یم کے جب لڑکے لگے بھوک سے مرنے ہر خان و خوانین کے ہمراہ رواں ہے
جب راہ خدا پیسے نکالے کوئی نواب تب ان کی سفارش میں اسی رقعہ فغاں ہے

مضمون یہی رقعہ کا کچھ دیجئے اس کو
مداح اماموں کا ہی اور مرثیہ خواں ہے

آرام سے کٹنے کا سُنا تو نے کچھ احوال جمعیتِ خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے
دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام عقبیٰ میں یہ کہتا ہی کوئی اس کا نشاں ہے
سو اس کا تیقن کسی کے دل کو نہیں ہے یہ بات بھی گوئندہ ہی کا محض گماں ہے

یہاں فکرِ معیشت ہی تو وہاں دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیست نہ یہاں ہی نہ وہاں ہے
سودا

۴۸۔ شہر آشوب

جلد۳

کہا میں آج یہ سودا سے کیوں تو ڈانواں ڈول   پھرے ہے جا کہیں نوکر ہو لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اس کے جواب میں دو بول   جو میں کہوں گا تو سمجھے گا تو کہ ہے یہ ٹھٹھول

بتا کہ نوکری بکتی ہے ڈھیریوں یا تول

سپاہی رکھتے تھے نوکر امیرِ دولت مند   سو آمد ان کی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
کیا ہے ملک کو مدت سے سرکشوں نے پسند   جو ایک شخص ہے بائیس صوبے کا خاوند

رہی نہ اس کے تصرّف میں فوجداری کول

رہی فقط عربی باجے پر اُنھوں کی نشان   جو چاہیں اس کو نہ بجوادیں یہ تو کیا امکان
پر ان کا فکر ہے تخفیفِ خرچ پر ہر آن   رہے گا حال اگر ملک کا یہی تو نداں

گلے میں تاشا کہاروں کے پالکی میں ڈھول

امیر اب جو ہیں دانا اُنھوں کی ہے یہ چال   ہوئے ہیں خانہ نشیں دیکھ کر زمانہ کا حال
بچھی ہے سوزنی خوجا کھڑا جھلے ہے رومال   حضور بیٹھے ہیں اک دو ندیم اہلِ کمال

دھری ہے روبرو اک پیکدان ایک تنبول

پڑے سے جو کام انھیں تب نکل کے کھائی سی   رکھیں وہ فوج جو موئی بھڑے لڑائی سے
پیادے ہیں سو ڈریں سرمنڈا قزّاقی سی   سوار گر پڑیں سوتے میں چارپائی سے

کرے جو خواب میں گھوڑا کسی کی نیچے الول

کہے جو مودی سے جا کر دواب کے حالات | جواب دی ہی کہ ہی اونٹ تو فرشتے کی ذات
ہوا یہ چھٹی ہی بیلیوں کی اور بھس پرات | جو چھڑی ہیں انھوں نے پیا ہے آبحیات

تمہارے کھانے کو دانا کہو تو دیجے تول

اور اب جو زعم میں آقا کے قبل خانہ ہے | جو ہتنی اندھی ہی اس میں تو ہاتھی کانا ہے
نہ ٹھور چارے کا راتب کا نے ٹھکانا ہی | ہر ایک بھوک سی سوئے عدم روانا ہے

اب اس کو خواہ وہ پایل سمجھ لیں خواہ نجھول

کری ہی بھوک سی شاگرد پیشہ اب یہ معاش | کہیں پلاؤ تو باورچی واں پکا ویں آش
کریں قناتوں میں دربان بیٹھی پردہ فاش | تلے سے کھینچ لے مسند کو آن کر فراش

اگر کہیں کہ مٹا اٹھ کے چاندنی کا جھول

سودا

۸۵۔ شہر آشوب

مشکل اپنی ہوئی جو بود و باش | آئے لشکر میں ہم برائے تلاش
اُن نے دیکھی یاں کی طرفہ معاش | ہے لب ناں پہ سو جگہ پرخاش

نے دم آب ہے نہ حجۂ آش

رنے کے مرتبے میں ہیں احباب | جو شناسا ملا سو بے اسباب

تنگدستی ہے لب بحال خراب جس کے ہے یال تو نہیں ہی طناب
جس کے ہی فرش نو نہیں فراش

زندگانی ہوئی ہے سب یہ وبال کنجڑے جھینکے ہیں روتے ہیں بقال
پوچھ مت کچھ سپاہیوں کا حال ایک تلوار بیچے ہے یک ڈھال
بادشاہ و وزیر سب قلاش

پیسے والے جو تھے ہوئے ہیں فقیر تن سے ظاہر رگیں ہیں جیسے لکیر
ہیں معذب غرض صغیر و کبیر مکھیاں سی گریں ہزاروں فقیر
دیکھیں ٹکڑا اگر برابر ماش

شور مطلق نہیں کسو سر میں زور باقی نہ اسپ و اشتر میں
بھوک کا ذکر اقل و اکثر میں خانہ جنگی سے امن لشکر میں
نہ کوئی رند نے کوئی اوباش

جتنے ہیں یاں امیر بے دستور پھر بحسن سلوک سب مشہور
پہنچنا ان تلک بہت ہے دور بات کہنے کا واں کسے مقدور
حاصل ان سے نہ دل کو غیر خراش

چار لچے ہیں مستعد کار دس تلنگے جو ہوں تو ہے دربار
ہیں وضیع و شریف سارے خوار لوٹ سے کچھ ہے گرمی بازار

سو ہی قند سیاہ ہے یا ماش

در یہ شہدوں کے روز و شب دشور حرف یکسر فریب و رشوت خور
ے لیے دیکھیں نے کسو کی اور مردہ شو پردہ سب کفن کے چور

رحمۃ اللہ براو لیں نباش

ہے جنہیں کچھ بھی رویت دربار سو فریبندہ مکر ہی دغدار
کاذب و مفت بر ہے دل آزار ڈول ان کا ہے یہ کہ کریے خوار

کام ان کا ہے یہ خراش و تراش

ہو جوان لوگوں میں گدا کا گزر سہم رہ جائیں سب نہ دیکھیں ادھر
دیر کے بعد یہ کہیں ہل کر شاہ جی لے خدا سبھوں کی خبر

سو بھی یہ بات ہے پس از کنکاش

یاروں کی جود کا بیاں کیا ہے وہم میں ان کے بھی جہاں کیا ہے
آشکارا ہے سب نہاں کیا ہے دیکھتے ہیں کہیں کہ یاں کیا ہے

ایسی صحبت میں ہم نہ ہوتے کاش

بس قلم اب زباں کو اپنی سنبھال خوشنما کب ہے ایسی قال و مقال
ہے کڈھب چرخ رو سیہ کی چال مصلحت ہے کہ رہیئے ہو کر لال

فائدہ کیا جو راز کریے فاش

میر

جلد ۳

۸۴۔ شہر آشوب

ہے اب تو کچھ سخن کا مرے اختیار بند ‏ رہتی ہے طبع سوچ میں لیل و نہار بند
دریا سخن کی فکر کا ہے موجدار بند ‏ ہو کس طرح نہ منہ میں زباں بار بار بند
جب آگرہ کی خلق کا ہو روزگار بند

بے روزگاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی ‏ کوٹھے کی چھت نہیں ہے یہ چھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی ‏ ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جوں ایک بار بند

کڑیاں جو سال کی تھیں بکیں وہ تو اگلے سال ‏ لاچار قرض و دام سے چھپر لئے ہیں ڈال
پھوس اور ٹھیری اس کے ہیں جوں سر کے بکھرے بال ‏ اس بکھرے پھوس سے ہے یہ ان چھپروں کا حال
گویا کہ ان کے بھول گئے ہیں چمار بند

کپڑا نہ گٹھری بیچ نہ تھیلی میں زر رہا ‏ خطرہ نہ چور کا نہ اُچکّے کا ڈر رہا
رہنے کو بن کواڑ کا پھوٹا کھنڈر رہا ‏ کھنکھار جا گنے کا نہ مطلق اثر رہا
آنے سے بھی جو ہو گئے چور و چکار بند

اب آگرہ میں جتنے ہیں سب لوگ ہیں تباہ ‏ آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ

انکو عزیز والیسے بُرے وقت سے پناہ — وہ لوگ ایک کوڑی کی محتاج اب ہیں اَہ
کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

صرّاف بنئے جوہری اور سیٹھ ساہوکار — دیتے تھے سب کو نقد سو کھاتی ہیں اب اُدھار
بازار میں اُڑی، کہ پڑی خاک بے شمار — بیٹھے ہیں یوں دُکانوں پہ اپنی دکاندار
جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند

سوداگروں کو سود نہ بیوپاری کو فلاح — بزاز کو ہے نفع نہ پنساری کو فلاح
دلّال کو ہی بافت نہ بازاری کو فلاح — دُکھیا کو فائدہ نہ پنہاری کو فلاح
یاں تک ہوا ہے آن کے لوگوں کا کار بند

مارے ہیں ہاتھ ہاتھ پہ سب یاں کے دستکار — اور جتنے پیشہ دار ہیں روتے ہیں زار زار
کوٹے ہی تن لہار تو پیٹے ہے سر سنار — کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے یار
چھتیس پیشے والوں کا ہے کاروبار بند

زر کے بھی جتنے کام تھے وہ سب دبک گئے — اور ریشمی قوام بھی یک سر جھٹک گئے
زردار اُٹھ گئے تو بٹیے سرک گئے — چلنے سے کام تار کشوں کے بھی تھک گئے
کیا بال سُتلی کھینچیں جو ہو جائے تار بند

بیٹھے بساطی راہ میں تنکے سے چنتے ہیں — جلتے ہیں نان بائی تو بھڑ بھونجے بھنتے ہیں

روتے ہیں وہ جو مشرفع و دارائی بنتے ہیں دُھنیے بھی ہاتھ ملتے ہیں اور سر کو دُھنتے ہیں
اور وہ تو مر گئے جو نہیں تھے ازار بند

مرجھا رہی ہے دل کی کلی جی ہے داغدار بیچین تھے وہ جو گوند ھکے پھولوں کے بدھی ہار
لاچار پھر وہ ٹوکری اپنی زمیں پہ مار جب آدھی رات تک نہ بکی جنس آبدار
جاتے ہیں کر دکان کو آخر وہ ہار بند

پیسا کہاں جو سان پہ ہو استروں کا شور حجام پر بھی یاں تئیں ہے مفلسی کا زور
کیا بات ایک بال کٹے یا ترا شے کور کانپے ہے سر بھگوتے ہوئے اس کی پور پور
یہاں تک ہی استرے و نہرنی کی دھار بند

بیکار کب تلک کوئی قرض ادھار کھائے محنت سے ہاتھ پاؤں کے کوڑی نہ ہاتھ آئے
آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمیں تو وائے دیکھوں جسے وہ کرتا ہے رو رو کے ہائے ہائے
دشمن کا بھی خدا نکرے روزگار بند

بامن بھی سر پٹکتے ہیں سب مندروں کے بیچ آمد نہ خادموں کے تئیں مقبروں کے بیچ
حیران ہیں پیرزادے بھی اپنے گھروں کے بیچ عاجز ہیں علم والے بھی سب مدرسوں کے بیچ
نذر و نیاز ہو گئی سب ایک بار بند

روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب کیا چھوٹے کام والے و کیا پیشہ ور نجیب

ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے جب آ شام عنقریب اُٹھتے ہیں سب دکان سے کہکر کہ یا نصیب
جلد۳ قسمت ہماری ہو گئی بے اختیار بند

کیونکر بھلا نہ مانگئے اس وقت سے پناہ محتاج ہو جو پھرنے لگے در بدر سپاہ
یاں تک امیرزادے سپاہی ہوئے تباہ جن کے جلو میں چلتے تھے ہاتھی و گھوڑے آہ
وہ ڈرتے ہیں اور کے پکڑے تکار بند

ہے جن سپاہیوں کے نہ بندوق اور سناں گندی کا ان کے نام نہ چلے کا ہے نشان
چاندی کے بندتار تو بنئیے کے ہیں کہاں لاچار اپنی روزی کا باعث سمجھ کے ہاں
رسّی کے ان میں باندھے ہیں پیادے سوار بند

ایسا سپاہ مرد کا دشمن زمانہ ہے روٹی سوار کو ہے نہ گھوڑے کو دانا ہے
تنخواہ نے طلب ہے نہ پینا نہ کھانا ہے پیادے دوال بند کا پھر کیا ٹھکانا ہے
در در خراب پھرنے لگے جب نقار بند

جتنے ہیں آج آگرہ میں کارخانہ جات سب پر پڑی ہے آن کے روزی کی مشکلات
کس کس کے دُکھ کو روئیے اور کس کی کہئے بات روزی کے اب درخت کا ہلتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آکے ہوئی ایک بار بند

ہیں باغ جتنے یاں کے سو ایسے پڑے ہیں خوار کانٹے کو ان میں نام نہیں پھول در کنار

سوکھے ہوئے کھڑے ہیں درختاں میوہ دار کیاری میں خاک پھول روش پر پڑی غبار
ایسی خزاں کے ہاتھوں ہوئی ہی بہار بند

دیکھے کوئی چمن تو پڑا ہے اجاڑ سا غنچہ نہ پھل نہ پھول نہ سبزا ہرا بھرا
آواز قمریوں کی نہ بلبل کی ہے صدا نہ حوض میں ہی آب نہ پانی ہی نہر کا
چادر پڑی ہی خشک تو ہے آبشار بند

بے وارثی سے آگرہ ایسا ہوا تباہ پھوٹی حویلیاں ہیں تو ٹوٹی شہر پناہ
ہوتا ہی باغباں سے ہر اک باغ کا نباہ وہ باغ کس طرح نہ لٹے اور نہ اجڑے آہ
جس کا نہ باغباں ہو نہ مالک نہ خار بند

ہی کون سادہ دل جسے فرسودگی نہیں وہ گھر نہیں کہ روزی کی نابودگی نہیں
ہرگز کسی کے حال میں بہبودگی نہیں اب آگرے کے نام کو آسودگی نہیں
کوڑی کے آکے ایسے ہوئے رہگذار بند

کیوں یارو اس مکاں میں یہ کیسی چلی ہوا جو مفلسی سے ہوش کسی کا نہیں بجا
جو ہی سو اس ہوا میں دِوانا سا ہو رہا سودا ہوا مزاج زمانے کو یا خدا
تو ہی حکیم کھول دے اب اس کے چار بند

ہی میری حق سے اب یہ دعا شام اور سحر ہو آگرے کی خلق پہ پھر مہر کی نظر

ب کھا دیتی ہیں پانوں رکھیں پنچ اپنی گھر   اس ٹوٹے شہر پہ بھی الٰہی تو فضل کر
کھل جاویں ایک بار تو سب کاروبار بند

تی کہو اسیر کہو آگرے کا ہے   مُلّا کہو دبیر کہو آگرے کا ہے
لس کہو فقیر کہو آگرے کا ہے   شاعر کہو نظیر کہو آگرے کا ہے
اس واسطے یہ اس نے لکھے پانچ چار بند

نظیر

۸۷۔ شہر آشوب

معطل ہی ہر کوئی بے کار ہے   فقط مفلسی بر سر کار ہے
گدائی کا کاسہ لیے در بدر   ہیں آوارہ ارباب فضل و ہنر
مشائخ جو ذی عز و تعظیم ہیں   دل ان کے بھی صدمہ کش بیم ہیں
غمِ قوت ہی یاں تلک ہر زباں   کہ ہیں رشتۂ سبحہ ساں ناتواں
گئے سارے ورد و وظائف کو بھول   کیا ایسا فکر شکم نے ملول
وظیفہ ہے ہر آن اب حرف قوت
گئے دانے تسبیح کے صرف قوت

لکھوں خوشنویسوں کا میں حال کیا — نوشتے یہ اپنے ہیں گریاں صدا
جلد۳
کہیں ہیں بچارے کہ کس اور جائیں
لکھا اپنی قسمت کا کیونکر مٹائیں

معلّم ہوا ناظمِ وقت اگر — کوئی پوچھتا ہی نہیں اس کو پر
پڑھا دے دو صد طفل کو وہ مدام
ملے گر اسے یک رکابی طعام

زراعت کا پیشہ بھی بے آب ہے — دُرِ مدعایاں تو نایاب ہے
کرے کب یہ پیشہ کسو کو نہال — کہ سرسبز ہونا بہت ہی محال
خطر اس میں خشکی کا ہر آن ہے
اگر ہووے غرقی تو طوفان ہے

تجارت کا مایہ کسو میں کہاں — کہ باقی نہیں کچھ بجز نقدِ جاں
ہوئی تختہ دوکان سوداگری
نہ کوئی فروشندہ نہ مشتری

طبابت میں بھی اب نہیں کچھ حصول — اطبا ہیں اس عہد میں سب ملول
ہر ایک کو مرض مفلسی کا ہے آج
طبیب اب بچارے کریں کیا علاج

سپاہی کی مٹی بھی اب ہے خراب
کہ تیغا ہوا نوکری کا تو باب

جو اشحح ہیں اب انکا یہ رنگ ہے
کہ قسمت سے اپنی انہیں جنگ ہے

ہیں افلاس سے ایسے اندوہگیں
کہ مٹی کا گھوڑا میسر نہیں

نہ شمشیر پاس ان کے نہ ہے سپر
نہیں رکھتے قبضہ میں اک مشت زر

نہ ترکش ہے نہ تیر ہے نہ کماں
خدنگ الم کے نشاں ہر زماں

کماں کی کماں ہو رہے ہیں تباہ
اگر تیر ہے تو فقط تیر آہ

راسخ عظیم آبادی

۸۸- حیاتِ جاوید

شاہ ہوں یا ہوں گدا۔ محکوم ہوں یا حکمراں
وہ نہیں مرتے کبھی جیتی ہیں جن کی نیکیاں

جاگتا ہے اُن کا تا روزِ قیامت نام نیک
گو کہ ہیں وہ بے خبر سوتے لحد کے درمیاں

چُپ ہیں پر ہے بحر و بر میں گونج رہی اُن کی پکار
گم ہیں لیکن چپہ چپہ پر ہیں ثبت اُن کے نشاں

یاں رہے جب تک رہے ایسے مرنجان و مرنج
غیر سمجھے اُن کو اپنا۔ اور دشمن مہرباں

اور چلے جس وقت دنیا سے۔ گئے دنیا میں چھوڑ
خوبیوں کی اپنی بس اک زباں پر داستاں

اُن کا جینا کیسی نعمت ہو گی دنیا کے لیے؟ جن کا مرنا اُن کے حق میں ہے حیاتِ جاوداں
جلد۳ زندگی سے اُن کی ہرگز نیتیں بھرتی نہیں پائیں گر بالفرض عمرِ نوحؑ بھی اگر یہاں
وقتِ رحلت یوں ترستی اُن کو رہ جاتی ہے خلق ایک بجلی سی چمک کر ہو گئی گویا نہاں
جن کی ایسی زندگی اور جن کی ایسی موت ہو
ان کا اُٹھ جانا ہے - بدبختی کا دنیا کی نشاں

حالی

۸۹- غالب

رشکِ عرفی و فخرِ طالب مرد
اسد اللہ خانِ غالب مرد
بلبلِ ہند مر گیا ہیہات جس کی تھی بات بات میں اک بات
نکتہ داں نکتہ سنج نکتہ شناس پاک دل، پاک ذات، پاک صفات
شیخ اور بذلہ سنج شوخ مزاج رند اور مرجع کرام و ثقات
لاکھ مضمون اور اس کا ایک ٹھول سو تکلف اور اس کی سیدھی بات
دل میں چھبتا تھا۔ وہ اگر مثل دن کو کہتا دن، اور رات کو رات
ہو گیا نقشِ دل پہ جو لکھا قلم اس کا تھا اور اس کی دوات

تھیں تو دلّی میں اس کی باتیں تھیں — لے چلیں اب وطن کو کیا سوغات
اس کے مرنے سے مر گئی دلّی — خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات
یہاں اگر بزم تھی تو اس کی بزم — یہاں اگر ذات تھی تو اس کی ذات

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا

دل کو باتیں جب اس کی یاد آئیں — کس کی باتوں سے دل کو بہلائیں
کس کو جا کر سنائیں شعر و غزل — کس سے دادِ سخنوری پائیں
مرثیہ اس کا لکھتے ہیں احباب — کس سے اصلاح لیں کدھر جائیں
لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں — اہلِ میّت جنازہ ٹھہرائیں
لائیں گے پھر کہاں سے غالب کو — سوئے مدفن ابھی نہ لیجائیں
اس کو اگلوں پہ کیوں نہ دیں ترجیح — اہلِ انصاف غور فرمائیں
قدسی و صائب و اسیر و کلیم — لوگ جو چاہیں اس کو ٹھہرائیں
ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے — ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں

غالبِ نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

نثر حسن وجمال کی صورت — نظم غنج ودلال کی صورت
قال اس کا وہ آئینہ صورت — نظر آتی تھی حال کی صورت
تہنیت اک نشاط کی تصویر — تعزیت اک ملال کی صورت
اس کی توجیہ سے پکڑتی تھی — شکل امکاں محال کی صورت
اس کی تاویل سے بدلتی تھی — رنگ ہجراں وصال کی صورت
لطف آغاز سے دکھاتا تھا — سخن اس کا مآل کی صورت
چشم دوراں سے آج چھپتی ہے — انوری وکمال کی صورت
لوح امکاں سے آج مٹتی ہے — علم وفضل وکمال کی صورت
دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے — غالب بے مثال کی صورت

حق نے بخشی تھی ایک چیز ہمیں
یاد آئے گا یہ عزیز ہمیں

شہر میں جو ہے سوگوار ہے آج — چشم اعدا بھی اشکبار ہے آج
نازش خلق کا محل نہ رہا — رحلت فخر روزگار ہے آج
تھا زمانہ میں ایک رنگیں طبع — رخصت موسم بہار ہے آج
بار احباب جو اٹھاتا تھا — دوش احباب پر سوار ہے آج

جلد ۳

تھی ہر اک بات نیشتر جس کی — اس کی چپ سے جگر فگار ہے آج
دل میں مدت سے تھی خلش جس کی — وہی برچھی جگر کے پار ہے آج
دلِ مضطر کو کون دے تسکیں — ماتمِ یارِ غمگسار ہے آج
کس کو لاتے ہیں بہرِ دفن کہ قبر — ہمہ تن چشمِ انتظار ہے آج

غم سے بھرتا نہیں دلِ ناشاد
کس سے خالی ہوا جہان آباد

مایۂ نازشِ جہاں نہ رہا — باعثِ کینِ آسماں نہ رہا
ساتھ اس کے گئی بہارِ سخن — اب کچھ اندیشۂ خزاں نہ رہا
ہوا ایک ایک کارواں سالار — کوئی سالارِ کارواں نہ رہا
رونقِ حسن تھا بیاں اُس کا — گرم بازارِ گلرخاں نہ رہا
ہو چکیں حسن و عشق کی باتیں — گل و بلبل کا ترجماں نہ رہا
اہلِ ہند اب کریں گے کس پہ ناز — رشکِ شیراز و اصفہاں نہ رہا
کوئی ویسا نظر نہیں آتا — وہ زمیں اور وہ آسماں نہ رہا

اُٹھ گیا تھا جو مایہ دارِ سخن
کس کو ٹھہرائیں اب مدارِ سخن

کیا ہو وہ جس میں مردِ کار نہ تھا — اک زمانہ کہ سازگار نہ تھا

جلد۳

شاعری کا کیا حق اس نے ادا — پر کوئی اس کا حق گزار نہ تھا

بے صلہ مدح و شعر بے تحسین — سخن اس کا کسی پہ بار تھا

نذر سائل تھی جان تک لیکن — درخورِ ہمت اقتدار نہ تھا

ملک و دولت سے بہرہ ور نہ ہوا — جان دینے پہ اختیار نہ تھا

خاکساروں سے خاکساری تھی — سربلندوں سے انکسار نہ تھا

لب پہ احباب سے بھی تھا نہ گلا — دل میں اعدا سے بھی غبار نہ تھا

بے ریائی تھی زہد کے بدلے — زہد اس کا اگر شعار نہ تھا

ایسے پیدا کہاں ہیں مست خراب — ہم نے مانا کہ ہوشیار نہ تھا

مظہرِ شانِ حسنِ فطرت تھا
معنیِ لفظِ آدمیت تھا

کچھ نہیں فرق باغ و زنداں میں — آج بلبل نہیں گلستاں میں

شہر سارا بنا ہے بیتِ حزن — ایک یوسف نہیں جو کنعاں میں

ملک یکسر ہوا ہے بے آئیں — اک فلاطوں نہیں جو یوناں میں

ختم تھی اک زباں پہ شیرینی — ڈھونڈتے کیا ہو سیب و رماں میں

حصر تھی اک زباں پہ رنگینی کیا دھرا ہے عقیق و مرجاں میں
لب جادو بیاں ہوا خاموش گوش گل وا ہی کیوں گلستاں میں
گوش معنی شنو ہوا بیکار مرغ کیوں نعرہ زن ہی بستاں میں
وہ گیا جس سے بزم روشن تھی شمع جلتی ہی کیوں شبستاں میں

ماہِ کامل میں آ گئی ظلمت
آبِ حیواں پہ چھا گئی ظلمت

ہند میں نام پائیگا اب کون سکہ اپنا بٹھائے گا اب کون
ہم نے جانی ہی اس سی قدر سلف ان پہ ایمان لائے گا اب کون
اس نے سب کو بھلا دیا دل سے اس کو دل سی بھلائیگا اب کون
تھی کسی کی نہ جس میں گنجائش وہ جگہ دل میں پائیگا اب کون
اس سے ملنے کو یاں ہم آئے تھے جا کے دلی سے آئیگا اب کون
مر گیا قدر دانِ فہمِ سخن شعر ہم کو سنائے گا اب کون
مر گیا تشنۂ مذاقِ کلام ہم کو گھر سے بلائے گا اب کون
تھا بساطِ سخن میں اک شاطر ہم کو چالیں بتائے گا اب کون

شعر ہیں ناتمام ہے حالی
غزل اس کی بنائیگا اب کون

حالی

۹۰ - مرثیۂ آزاد مرحوم

آزاد وہ دریائے سخن کا دُرِ یکتا — جس کی سخن آرائی پہ اجماع تھا سب کا
ہر لفظ کو مانیں گے فصاحت کا نمونہ — جو اُس کے قلم سے دمِ تحریر ہے ٹپکا
ملکوں میں پھرا مدّتوں تحقیق کی خاطر — چھوڑا نہ دقیقہ کوئی رنج اور تعب کا
دیکھا نہ سُنا ایسا کہیں اہلِ قلم میں — تصنیف کا تدوین کا۔ تحقیق کا لپکا
صحت میں علالت میں اقامت میں سفر میں — ہمت تھی بلا کی۔ تو ارادہ تھا غضب کا
فرض اپنا ادا کر کے۔ کئی سال سے مشتاق — بیٹھا تھا کہ آئے کہیں پیغام طلب کا
آخر "شبِ عاشور" کو تھی جس کی تمنّا — آپہنچا نصیبوں سے بُلاوا اُسے رب کا

تاریخ وفات اُس کی جو پوچھے کوئی حالیؔ
کہہ دو کہ "ہوا خاتمہ اُردو کے ادب کا"
۱۳۲۷ھ

حالیؔ

۹۱ - ماتمِ حالی

ہائے وہ لوگ جنہیں فخرِ زمانہ کہیے — گیسوئے حسن کمالات کا شانہ کہیے

علم و اخلاق وفضیلت کا خزانہ کہیے   ملک اور قوم کی حالت کا فسانہ کہیے

جلد۳

اس طرح بزمِ سخن چھوڑ کے خالی جائیں

پہلے شبلی گئے اب خلد میں حالی جائیں

آہ! وہ جان سخن روح روان دہلی!   نیچرل نظم پہ نازاں تھی زبانِ دہلی

مٹ گئی حضرت غالب کی نشانی افسوس

زندگی ہو گئی حالیؔ کی کہانی افسوس

قومی کاموں کے لیے جانِ کھپانے والا   قوم کو راہِ ترقی پہ چلانے والا

دورِ اسلام کی تاریخ سنانے والا   ٹیکلے چھوڑ کے روتوں کو ہنسانے والا

ہم کو ملنے کا نہیں رہبر کامل ایسا

فلسفی شاعر و فرزانہ و عاقل ایسا

خلیق

۹۲ - ہندی مسلمانوں کا ترانہ

اے اجنبی مگر تو واقف نہیں عرب سے   جو پوچھتا ہی ہم سے نام و نشاں ہمارا

لیکن قدیم اپنا ہے سرزمینِ بطحیٰ   پہلے ہوا جہاں سے چشمہ رواں ہمارا

جو چاہے دیکھ آئے بیت الحرام مکہ قایم ہے اس زمیں پہ اب تک نشاں ہمارا
جلد ۳ مرجع ہمارا اب تک ہے خاک پاک یثرب جس خاک میں ہے سوتا وہ گلہ باں ہمارا

ہم اہلِ بادیہ ہیں اسلام کے فدائی
اس دین کے فدائی اس نام کے فدائی

وہ آبنائے مغرب یعنی کہ جبل طارق صدیوں اُڑا کیا ہے اس پہ نشاں ہمارا
ہرقل کا تاج اب بھی ہے زیب سر ہمارے ہے پائے بوس اب تک تختِ کیاں ہمارا
یہ سرزمین مشرق کہتے ہیں ہند جس کو قرنوں رہا ہے اس پہ سکہ رواں ہمارا
پہنچے ہیں ہم یہاں تک خیبر کو پار کر کے کیا روکتا ہمالہ بحرِ رواں ہمارا

مدت تک اس زمیں پہ کی ہم نے حکمرانی
صدیوں رہا ہے تابع ہندوستاں ہمارا

ہندوستاں میں رہتی گزری ہیں آٹھ صدیاں ہر ذرہ اس میں کا ہے رازداں ہمارا
ماں باپ ہیں ہمارے مدفونِ خاک اس میں اس خاک سے بنا ہے ہر نوجواں ہمارا
بیجا نہیں جو اس کو سمجھیں وطن ہم اپنا زیبا ہے گر کہیں ہم ہندوستاں ہمارا
بھارت ہماری ماں ہے ہم اس کے بالکا ہیں ہے اتو برج باشی کل خانداں ہمارا

بیوپار ہے ہمارا حُبِّ وطن کا سودا
اس جنس کا ہے جو یا یہ کارواں ہمارا

دیوانہ

۹۳- سرسید کا کام

نہاں نہیں ہے یارو سب پر کھلا ہوا ہے
جو حال آج اپنا اور اپنی قوم کا ہے

ہے اک لکیر باقی جس پر فقیر ہیں ہم
خود سانپ ورنہ یہاں سے کب کا نکل گیا ہے

اس پر بھی اے عزیزو ہے جائے فخر تم کو
دینوں میں دین بیضا حق نے تمہیں دیا ہے

للہ ہے وہ تمہارا جو گھر ہے سب سے پہلا
ہادی ہے وہ تمہارا جو ختم انبیا ہے

ی ہے وہ مصلح کل حق نے کتاب تم کو
جس نے شریعتوں کو شیر و شکر کیا ہے

بخشی تمہیں حکومت حکمت تمہیں عطا کی
دوراں سدا موافق تم سے یوں نہیں رہا ہے

اس دور آخری میں جب یوں بگڑ چلے تم
اک ہاشمی تمہارا مصلح کھڑا کیا ہے

سرسبز چاہتا ہے جو قوم کو جہاں میں
فتووں سے قوم کے گو کافر ٹھیر چکا ہے

وقت اپنا کام اپنا جان اپنی مال اپنا
یارو یہ جس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے

زاراس یہ قوم کے ہیں وہ قوم کی سپر ہے
قوم اس سے بدگماں ہے وہ قوم پر فدا ہے

ر ہم سے اور قلم سے دم سے قدم سے اپنے
جو کچھ کیا ہے اس نے وہ کس سے ہو سکا ہے

درد قوم ایسا ہم نے سنا نہ دیکھا
یہ درد اس کو جد کی میراث میں ملا ہے

لیم کی تمہاری بنیاد اس نے ڈالی
ملکوں میں جس کا چرچا ہر سمت ہو رہا ہے

بعد از قرون اولیٰ کس نے کیا بتاؤ
سید نے کام آکر جو قوم میں کیا ہے

حالی

۹۴- گدایانِ قوم

ایک دن ایسا بھی ضرور آئے گا — مانگنا اک جرم ٹھہر جائے گا
مانگتے اب پھرتے ہیں جو در بدر — آئے گی پرچھائیں نہ اُن کی نظر
ہے مگر اک فرقہ سوا ان کے اور — مانگنے کے جن کے نرالے ہیں طور
جتنے بھکاری کہ ہیں نزدیک و دُور — کان پکڑتے ہیں سب اُن کے حضور
چور ہیں اُن سے اچھوتے نہ ساہ — مانگتا ہے اُن سے زمانہ پناہ
مل کے صدا سارے لگاتے ہیں جب — انگلیاں دے لیتے ہیں کانوں میں سب
وضع اگر دیکھیے تو سر بسر — آتے ہیں خاصے بھلے مانس نظر
شکلیں ثقہ - ڈاڑھیاں اکثر سفید — باتیں موثر کہ کریں دل میں چھید
ہے کوئی شمس العلما، کوئی سر — خان بہادر ہے کوئی ڈاکٹر
ملک کا مشہور ہے محسن کوئی — کوئی مُسن ہے تو ہے کم سِن کوئی

ہی کوئی شاعر تو ہے کوئی حکیم — رکھتا ہی دیکھو جسے شانِ عظیم
جن کے یہ درجے ہیں یہ رتبے یہ شان — جو گیوں کے گرے انھوں نے ہیں کان
در پہ الکھ آکے جگاتے ہیں جب — سُن کے گھروں سے نکل آتے ہیں سب

مانگنے پر پھر جو اترتے ہیں شیر
ہوتے ہیں لاکھوں ہزاروں سے سیر

حالی

۹۵ - سر سید مرحوم

واہ رے سید پاکیزہ گہر کیا کہنا — یہ دماغ اور یہ حکیمانہ نظر کیا کہنا
قوم کے عشق میں یہ سوزِ جگر کیا کہنا — ایک ہی دھن میں ہوئی عمر بسر کیا کہنا

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا — نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے کرنے والے میں
کہے جو چاہے کوئی میں تو یہ کہتا ہوں اے اکبر — خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

تعجب سے کہنے لگے بابو صاحب — گورمنٹ سید پہ کیوں مہرباں ہے
اسے کیوں ہوئی اس قدر کامیابی — کہ ہر بزم میں بس یہی داستاں ہے
کبھی لاٹ صاحب ہیں مہمان اس کے — کبھی لاٹ صاحب کا وہ میہماں ہے

نہیں ہی ہماری برابر وہ ہرگز — دیا ہم نے ہر صیغہ میں امتحاں ہی
وہ انگریزی سی کچھ بھی واقف نہیں ہے — یہاں جتنی انگلش ہی سب بر زباں ہی
کہا ہنس کر اکبر نے اے بابو صاحب — سنو مجھسے جو رمز اس میں نہاں ہی

نہیں ہی تمھیں کچھ بھی سیّد سے نسبت
تم انگریزی داں ہو وہ انگریز داں ہی

اہل یورپ کے ساتھ ہوٹل میں — تھی سیّد نے ایک دن کاری
خانساماں نے کان میں یہ کہا — آپ تو علم سے نہیں عاری
پڑھیئے کوئی دعائے اکلِ طعام — دین سے بھی رہے وفاداری
تب یہ اشعار حضرتِ سعدی — ہوئے ان کی زبان پر جاری
اے کریمے کہ از خزانہ غیب — گبر و ترسا وظیفہ خور داری

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

سید سے آج حضرتِ واعظ نے یہ کہا — چرچا ہے جابجا ترے حالِ تباہ کا
شیطان نے دکھا کے جمالِ عروسِ دہر — بندہ بنا دیا ہے تجھے حُبِّ جاہ کا
اس نے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج — راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بیخبر — کیا جانیئے جو رنگ ہے شام و پگاہ کا
یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر — گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا
وہ آب و تاب و شوکت ایوانِ خسروی — وہ محکموں کی شان وہ جلوہ سپاہ کا
آئے نظر علوم جدیدہ کی روشنی — جس سے خجل ہو نور رخِ مہر و ماہ کا
دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی — ہمسن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا
دختر دل فریب گل اندام نازنیں — عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا
رک گئے اگر تو ہنس کے کہے اک بت حسین — ول مولوی یہ بات نہیں کچھ گناہ کا
اس وقت قبلہ جھک کے کروں آپ کو سلام — پھر نام بھی حضور جو لیں خانقاہ کا
پتلون و کوٹ بنگلہ و بسکٹ کی دھن بندھے — سودا جناب کو بھی ہو ٹرکی کلاہ کا

منبر پہ یوں تو بیٹھ کے گوشہ میں اے جناب
سب جانتے ہیں وعظ ثواب و گناہ کا

اکبر

٩٦- تعلیم سے بیزاری

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر — مجھے تو ان کی خوشحالی سے ہے یاس

یہ عاشق شاہدِ مقصود کے ہیں نہ جائیں گے ولیکن سعی کے پاس
سناؤں تم کو ایک فرضی لطیفہ کیا ہی جس کو میں نے زیبِ قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے کہ بیٹا تو اگر کر لے ام اے پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے بلا وقت میں بنجاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی کجا عاشق، کجا کالج کی بکواس
کجا یہ فطرتی جوشِ طبیعت کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
یہ اچھی قدر دانی آپ نے کی مجھے سمجھا ہے کوئی ہر جرنداس
دل اپنا خوں کرنے کو ہوں موجود نہیں منظور مغزِ سر کا آماس
یہی ٹھہری جو شرطِ وصلِ لیلیٰ
تو استعفا مرا باحسرت و یاس

اکبر

۹۷۔ مسلمان اور انگریزی تعلیم

ایک دن تھا بحکمِ سرکاری گئے اسکول جا بجا کھولے

جلد ۳

نہ تو کچھ فیس تھی نہ داخلہ تھا — مفت تعلیم تھی اسے جو لے
ہم مسلمان سب اکڑ بیٹھے — پہلے فتوئی جواز کا ہو لے
منہ زبانی بھی اور لکھکر بھی — پوچھ گچھ کی تو مولوی بولے
ایسی تعلیم ہے تو بہتر ہے — آدمی ٹوکری کہیں ڈھو لے
انتظامِ امورِ دنیا کو — کیا سمجھتے یہ ختنی بھولے
رہنما بے خبر تو بات کو پھر — کون میزانِ عقل میں تولے

رہے علمِ معاش سے کورے
شہر قصبے محلے اور ٹولے

ہیں ہمارے جو اور ہمسائے — گویا بیٹھے ہی تھے وہ منہ کھولے
خوانِ نعمایہ جا کے ٹوٹ پڑے — بھر لئے ٹھونس ٹھونس کر جھولے
لگی ہلدی نہ پھٹکری اور مفت — خوب ہوتی معاش کے رولے

تحکموں کی پلٹ گئی کایا
آفسوں کے بدل گئے چولے

کہا سید نے قوم سے ناداں — تو بھی اُٹھ بیٹھ ہاتھ منہ دھولے
تب ہوئی کچھ جھجک ہماری دور — اور ہم نے بھی بال و پر کھولے

مگر اس فیس کی گرانی کے	متواتر لگے وہ ہچکولے
حوصلے کا نکل گیا بھرکس	اور ہمت کے ہو گئے ہولے

"الغرض وہ مثل ہوئی اپنی
سر منڈاتے ہی پڑ گئے اولے"

اسمٰعیل

۹۸- علی گڑھ کالج

ظاہر میں اگرچہ راز سربستہ ہے	مضمون لطیف خوب برجستہ ہے
پودا نہیں پھول کا علی گڑھ کالج	گلدان میں مسلموں کا گلدستہ ہے

سیّد کی روشنی کو اللہ رکھے قائم	بتّی بہت ہی موٹی روغن بہت ہی کم ہے
خدا علی گڑھ کے مدرسے کو تمام امراض سے شفا دے

بھرے ہوئے ہیں رئیس زادے امیر زادے شریف زادے
لطیف و خوش وضع و چست چالاک و صاف پاکیزہ خوش و خرم
طبیعتوں میں ہے ان کے جودت دلوں میں ان کے ہیں نیک ارادے
فقیر مانگے تو صاف کہدیں کہ تو ہے مضبوط جا کما کھا
قبول فرمائیں آپ دعوت تو اپنا سرمایہ کل کھلا دے

نکلتے ہیں کرکے غول بندی بنام تہذیب و دردمندی
یہ کہہ کے لیتے ہیں سب سے چندے ہمیں جو تم دو تمھیں خدا دے
انھیں اسی بات پر یقیں ہے کہ بس یہی اصلِ کارِ دیں ہے
اسی سے ہوگا فروغ قومی اسی سے چمکیں گے باپ دادے
دلوں میں ان کے ہی نورِ ایماں قوی نہیں ہے مگر نگہباں
ہوائے منطق ادائے طفلی یہ شمع ایسا نہ ہو بجھا دے

اکبر

۹۹- کانفرنس

کانفرنس احباب سے پُر ہے جو صف ہے وہ سلکِ دُر ہے
سب کو یاد اُستاد کا گُر ہے دلکش ہر اسپیچ کا سُر ہے

قومی ترقی کی رادھا پیاری بیٹھی ہے پہنے جوڑا بھاری
نو من تیل کی فکر ہے طاری چندہ کی تحصیل ہے جاری

جمع ہیں ممبر بھولے بھالے جاڑے کا موسم پھولے پھالے
آنکھیں پھاڑے دانت نکالے چندہ دے کر پھنسنے والے

جلد۳

بعض ہیں بادہ وجام کے خواہاں — بعض نمود ونام کے خواہاں
بعض فقط آرام کے خواہاں — کم ہیں فیضِ عام کے خواہاں

مدعیاں رونقِ دیں ہیں — لیکن باہم برسرِ کیں ہیں
واقف فن وہنر سے نہیں ہیں — کم ہیں ان میں جو آخر بیں ہیں

ہر دم قوم کا رونا کیا ہے — ان باتوں سے ہونا کیا ہے
مفت میں روپیہ کھونا کیا ہے — شور زمیں میں بونا کیا ہے

دیکھئے ایک باضابطہ بھبکی — دنیا آپ کی جانب لپکی
آپ نے سب کی دولت ہپ کی — بزم جمالی خالی گپ کی

دیکھتا ہے ایک عمر سے بندہ — بس یہی باتیں بس یہی چندہ
ہوتا ہے کچھ کام نہ دھندہ — لاؤ چندہ لاؤ چندہ

کام بہت ہیں لوکل و ذاتی — ان کی فکر تو کی نہیں جاتی
مفت میں بچوں کو کر کے براتی — قوم کی گاتے ہیں بھائی پرواتی

ہو گیا عقل میں کون اضافہ — خوشبو پھیلی دیکھا نہ نافہ
دیکھ لیا یاروں کا قیافہ — پایا بس خوش رنگ لفافہ

قوم سے اس کی گاڑھی کمائی — آپ نے نفرے دے کے اڑائی

اور وہ یوں بے سود گنوائی   شاہِ لندن تیری دوہائی

راجہ صاحب سے شیخ جی نے کہا   اب بھروسہ حضور پر نہ رہا
مجھکو چھوڑا امام باڑے میں   پہنچے خود نیچری اکھاڑے میں
جیب خالی بھرا کیا بندہ   لے گئے غیر اس قدر چندہ
راجہ صاحب نے ہنس کے فرمایا   کیوں مزاج آپ کا ہے گرمایا
بزم قومی میں میں شریک ہوا   جو ہوا ہر طرح سے ٹھیک ہوا
آپ پر بار صرف ڈاڑھی ہے   یاں ریاست کی فکر گاڑھی ہے
جب حکومت کرے خود اس کا ڈفنس   کیوں نہ ہوں میں شریک کانفرنس
مجکو ہے شوق علم و دانش سے   کیوں میں رکتا پھر اپنی خواہش سے
نہ ہو تسکین وہ جو یہ توضیح ،   تو میں کردوں گا دوسری تشریح
مجھ یہ کرتا تھا اعتراض حریف   دل میں آیا یہ میرے شعر لطیف

دفترِ اعتراض سوختہ بہ
دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

اکبر

۱۰۰۔ مسلم لیگ

جلد ۳

لیگ کی عظمت و جبروت سے انکار نہیں
ملک میں غلغلہ ہی شور ہی کہرام بھی ہی

ہی گورمنٹ کی بھی اس پہ عنایت کی نگاہ
نظرِ لطف رئیسان خوش انجام بھی ہی

پختہ کاروں کے لیے آلۂ تسخیر ہے یہ
نوجوانوں کو صدائے طمع خام بھی ہی

رہنمایانِ نوآموز کا ہی مکتبِ درس
زینۂ فخر و نمایش گری عام بھی ہی

مختصر اس کے فضائل کوئی پوچھے تو یہ ہیں
محسنِ قوم بھی ہی خادم حکام بھی ہی

ربط ہی اس کو گورمنٹ سے بھی ملک سے بھی
جس طرح صرف میں اک قاعدہ ادغام بھی ہی

اس کے آفس میں بھی ہر طرح کا سامان ہی درست
ورقِ سادہ بھی ہی کلک خوش اندام بھی ہی

ہیں قرینے سے سجائی ہوئی میزیں ہر سو
جابجا دفترِ پارینۂ احکام بھی ہی

چند بی۔ اے ہیں سند یافتۂ علم و عمل
کچھ اسسٹنٹ ہیں کچھ حلقۂ خدام بھی ہی

ہو جو تعطیل میں تفریح و سیاحت مقصود
سفرِ درجۂ اول کے لیے دام بھی ہی

یہ تو سب کچھ ہی مگر ایک گزارش ہی حضور
گرچہ بیسوئے ادب بھی ہی اور ابرام بھی ہی

مجھ سے آہستہ مرے کان میں ارشاد ہو یہ
سال بھر حضرت والا کو کوئی کام بھی ہی

شبلی

۱۰۱ - اجلاس مسلم یونیورسٹی

یض ہے جماعتِ احرار کا ضرور   اب قوم کو جو شخص یہ ہستی سے عار ہے
زادیِ خیال کا جو کچھ کہ ہے اثر   یہ سب انھیں کے فیض کا منت گزار ہے

لیکن یہ دیکھنا ہے کہ یہ عزم یہ ترنگ
ہے دیرپا کہ جوشِ جنونِ بہار ہے

اب کے جو لکھنؤ میں دکھایا گیا سماں   سچ پوچھیے تو مضحکۂ روزگار ہے
دکھایا پہلے دن کہ ہر اک گوشۂ بساط   میدانِ رزم و عرصہ گہِ گیر و دار ہے
غل ہے کہ وہ مقدمۃ الجیش آگیا   اب انتظارِ فوجِ یمین و یسار ہے
احرار کی صفوں کی صفیں ہیں جمی ہوئی   مجلس تمام عرصہ گہِ کارزار ہے
اسٹیج پر ہر ایک بپھرتا ہے اس طرح   گویا حریفِ رستم و اسفندیار ہے
ہاتھ اُٹھ رہے ہیں یا علمِ فتح ہی بلند   چلتی ہوئی زبان ہی یا ذوالفقار ہے
ہر نوجواں ہی نشۂ آزادگی میں مست   جو ہے وہ حریت کا سرِ پُرخمار ہے
احرار کہہ رہے ہیں نہ مانیں گے ہم کبھی   ویٹو کا وائسرائے کو کیا اختیار ہے
الحاق اگر نہیں ہی تو ہر سعی ہے عبث   "مسلم" کا لفظ خاص ہمارا شعار ہے

جو والیانِ ملک کہ تھے زیب انجمن
سب دم بخود سے تھے کہ یہ کیا خلفشار ہے

یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم میں | نے وہ خروش و جوش نہ وہ گیر و دار ہی
ٹوٹی ہوئی صفیں ہیں علم سرنگوں ہیں سب | بازوئے تیغ گیر جو تھا رعشہ دار ہی
سازش کا ایک جال بچھایا ہی ہر طرف | ہر شخص اس کی فکر میں مصروف کار ہی

سرمستیاں ہیں دورِ قدح ہائے راز کی
ہر شخص حکمتِ عملی کا شکار ہے

جو بات کل تلک سببِ ننگ و عار ہی | وہ آج مایۂ شرف و افتخار ہی
جس بات پر کہ نعرۂ نفریں بلند تھے | اب وہ قبول خاطرِ ہر ذی وقار ہی
خود آپ اپنے ہاتھ سے کھائی ہی گو شکست | کہتے ہیں پھر یہ فتح مبیں یادگار ہی
حیران تھے عوام کہ کیا ماجرا ہے یہ | یہ کیا دو رنگیٔ چمنِ روزگار ہی

احرار کا طریق عمل ہی اگر یہی
پھر کامیابیوں کا عبث انتظار ہی

شبلی

جلد ۳

۱۰۲۔ اصرار الحاق

شرط الحاق پہ اصرار اور ایسا اصرار — شیوۂ عقل نہیں بلکہ یہ ہے کج نگہی
درس گاہیں ہیں کہاں کیجیے جن کا الحاق — اور اگر ہیں بھی تو بیکار ہیں یا طبل تہی
لوگ جس چیز کو کہتے ہیں علی گڑھ کالج — چشم بینا ہو تو ہے جامعۂ قوم یہی
یہ وہی قبلۂ حاجات ہے سوچیں تو ذرا — یہ وہی کعبۂ مقصود ہے دیکھیں تو سہی
آج جو لوگ ہیں جمعیت قومی کے امام — جن کا ارشاد ہے ہم پایۂ طغرائی شہی
سب کے سب متفق اللفظ یہی کہتے ہیں — ان ھذا لھو الحق۔ وامنت بہٖ

قوم کا دیکھیے بچپن کہ یہ سب سن کے کہا
جو کھلونا مجھے دکھلایا تھا لونگی تو وہی

شبلی

۱۰۳۔ انکار الحاق

الحاق کی جو شرط نہ مانی جناب نے — کیا جانے کیا حضور کے دل میں خیال ہے
"مسلم" کے لفظ میں تو کوئی بات ہی نہ تھی — کیا اس میں بھی حضور کو کچھ احتمال ہے

جلد۳

اسباب سوءِ ظن کے لیے کچھ عیاں ہوئے | یا پہلے ہی سے شیشۂ خاطر میں بال ہے
ہم تو ازل سے حلقہ بگوشِ نیاز ہیں | یہ سر ہمیشہ زیرِ قدم پائمال ہے
آیا کبھی نہ حرفِ تمنّا زبان پر | یاں تک تو ہم کو پاسِ ادب کا خیال ہے
آیا جو حریت کا کبھی دل میں وہم بھی | سمجھا دیا کہ جوشِ جنوں کا اُبال ہے

دامن غبارِ حق طلبی سے رہا ہے پاک
یہ فیضِ خاص رہبرِ دیرینہ سال ہے

الحاق سے کچھ اور نہ تھا مدعائے خاص | بس اک عمومِ درسِ شفا کا خیال ہے
یعنی کہ تعمیل کر یہ زمانہ کو گھیر لے | اب تک جو مختصر یہ علی گڑھ کا جال ہے
یہ پالسی ہے شاہرۂ عام قوم کی | اس سے کوئی الگ ہے تو وہ خال خال ہے
پھر بھی حضور کی نہ گئیں سرگرانیاں | پھر بھی گُنا ہگار ہمارا بال بال ہے
اتنی سی آرزو بھی پذیرا نہ ہو سکی | اب کیا کہیں کہ اور بھی کچھ عرضِ حال ہے
سنتے رہے وہ غور سے یہ داستانِ غم | جب ختم ہوگئی تو یہ لب پر مقال ہے

حد سے اگر بڑھے گا تو ہو جائے گا سا
وہ درسگاہ رشتۂ وفا کا جو خال ہے

شبلی

جلد ۳

۱۰۴ - احرارِ قوم

یہ اعتراض آپ کا بیشک صحیح ہے
احرار قوم میں ہیں بہت خامیاں ابھی

چلتے ہیں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
گم گشتہ طریق ہے یہ کارواں ابھی

زود اعتقادیاں ہیں تلوّن ہے وہم ہے
ہو جاتے ہیں ہر اک سے یہ بدگماں ابھی

دل میں نہ عزم ہے نہ ارادوں میں ہے ثبات
جھیلے نہیں ہیں معرکۂ امتحاں ابھی

بے اعتدالیاں ہیں ادائے کلام میں
باہر ہے اختیار سے ان کی زباں ابھی

ہر دم ہیں گو مسائلِ ملکی زبان پر
ان میں سے ایک بھی تو نہیں نکتہ داں ابھی

یہ سب بجا درست مگر سچ جو پوچھیے
جو کچھ کہ ہے یہ ہے اثرِ رفتگاں ابھی

شبلی

۱۰۵ - احرار کی نکتہ چینی

دیکھ کر حریتِ فکر کا یہ دورِ جدید
سوچتا ہوں کہ یہ آئینِ خرد ہے کہ نہیں

رہنماؤں کی یہ تحقیر یہ اندازِ کلام
اس میں کچھ شائبۂ رشک و حسد ہے کہ نہیں

اعتراضات کا انبار جو آتا ہے نظر — اس میں کچھ قابلِ تسلیم و سند ہے کہ نہیں
جلد ۳ نکتہ چینی کا یہ انداز یہ آئینِ سخن — بزمِ تہذیب میں مستوجب ہے کہ نہیں
پہلے گر شانِ غلامی تھی تو اب خیرہ سری
اس دُراہے میں کوئی بیچ کی حد ہے کہ نہیں

شبلی

۱۰۶- احرار کا کام

یہ جو لیڈر شکنی آپ نے کی خوب کیا — قوم اب طوقِ غلامی سے ہے بالکل آزاد
لوگ اب قلعۂ تقلید میں ہوں گے نہ اسیر — ٹوٹ جائے گا طلسمِ اثرِ استبداد
ہاں مگر ایک گزارش بھی ہے یہ قابلِ غور — یہ تو فرمائیے اس باب میں کیا ہے ارشاد
تبکدے آپ نے ڈھائے بہت اچھا لیکن — شرط یہ ہے کہ حرم کی بھی تو رکھیے بنیاد
آبلہ قابلِ نشتر تھا یہ مانا لیکن — دیکھیے یہ کہ کہیں زخم میں آئے نہ فساد
آپ کہتے ہیں کہ وہ مجمعِ ناجائز تھا — خیر جو کچھ تھا مگر جمع تو تھے کچھ آزاد
اب کوئی مرکزِ قومی ہے نہ توحیدِ خیال — نہ کوئی جادۂ مقصد ہے نہ کچھ توشۂ زاد
خوف یہ ہے کہ بکھر جائے نہ شیرازۂ قوم — خوف یہ ہے کہ یہ ویرانہ نہ پھر ہو آباد

ے جس طرح ہوئی جاتے ہیں اُڑ اُڑ کے فنا یونہیں ہو جائیگی پھر قوم بھی آخر برباد

نکتہ چینی سے فقط کام نہیں چل سکتا
یہ بھی لازم ہے کہ کچھ کام بھی ہو پیش نہاد

شبلی

۱۰۷۔ رہبرانِ قوم

بت دشوار ہی مسلم کو قومی پیشوا بننا مُصیبت جھیلنا اور ہادیِ راہِ خدا بننا
ٹیوں سی لپٹ کر اس قدر البتہ ممکن ہی بباطن خود گھسٹنا اور بظاہر رہنما بننا

اے شیخ جب نکیل نہیں دست قوم میں پھر کیا خوشی جو اونٹ ترے ریل ہو گئے

نوٹوں کے سوا یہ بے بصیرت کرتے ہی کیا ہیں چمن کی کیا حفاظت ہو رہی ہی چشم نرگس سے
محبت کا تو عنصر ہی نہیں ان کی طبیعت میں لگاوٹ ہے فقط وہ بھی کبھی اُس سے کبھی اس سے

کچھ بھی نہیں چاہتے وہ چندے کے سوا اس باغ میں کیا دہرا ہے پھندے کے سوا
گلچیں ہے ہر اک نہیں ہے بلبل کوئی اس نکتہ کو کون سمجھے بندے کے سوا

موکل چھٹے ان کے پنجے سے جب تو وہ قوم مرحوم کے سر ہوئے
پپیہے پکارا کئے پی کہاں مگر وہ پلیڈر سے لیڈر ہوئے

اکبر

جلد۳

۱۰۸- قومی ناصح

کرسکیں گے قوم کا کیا کام ہم — خود غرض خود ہیں ہیں ورخود کام ہم
قوم کی اسٹیج پر ہیں جلوہ گر — تاکہ ہوں مشہور خاص و عام ہم
کہتے ہیں منبر پہ جن کو ناروا — گھر میں کرتے ہیں وہی سب کام ہم
منع مے کا صبح گر کرنا ہو وعظ — شام سے ہوتے ہیں مے آشام ہم
دل میں پاتے ہیں بتوں کی آرزو — باندھتے ہیں حج کا جب احرام ہم
کہتے ہیں سجادۂ تقویٰ اُسے — جب بچھاتے ہیں غرض کا دام ہم
کام جو کرتے ہیں خاطر پیٹ کی — قوم کا لیتے ہیں اکثر نام ہم
نفس غالب ہو جو حُبِّ قوم پر
کوششوں کا پائیں کیا انجام ہم

ناظر

۱۰۹- قومی پاسداری

ایک مسلمان خاص انگریزوں پہ تھا یوں نکتہ چیں — پاس ان لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر

جلد٣

چاہتے ہیں نفع پہنچے اپنے اہل ملک کو — گو کہ ان کے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر

کارخانہ کا یہ رہا جس کے کبھی چاقو نہ لیں — اس کا ہو بیچارہ ہندی بیچنے والا اگر

خوردنی چیزیں جو یہاں سے لینی پڑتی ہیں انہیں — ان کو لندن سے منگائیں بس چلے ان کا اگر

الغرض اہل وطن کی پاسداری کو یہ لوگ
جانتے ہیں دین و ایماں اپنا فقہ مختصر

سن کے حالی نے کہا "ہے حصر انگریزوں پہ کیا" — ایک سی ہے ایک قوم اس عیب میں آلودہ تر

ہیں محبت میں سب اندھے اپنی اپنی قوم کے — یہ وہ خصلت ہے کہ مجبور اس پہ ہے طبع بشر

مکھیاں جیتی نگل جاتے ہیں پاسِ قوم میں — اچھے اچھے راستباز اور حق پسند اور دادگر

ہاں بری اس عیب سے ہے دی کے اس دنیا میں ہے — چشم بد دور امت مرحوم اے جانِ پدر

اور قوموں سے انہیں لوگوں کو ہے یہ امتیاز — حملہ جب کرتے ہیں یہ کرتے ہیں اپنی فوج پر

ہوگا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یہاں
جس قدر ہے ان سے اپنوں اور بیگانوں کو خطر

حالی

١١٠ - مسلمان یتیم

اسلام بہت دن سے یہ کرتا تھا منادی — "اے غافلو - اے بے خبرو - ہوش میں آؤ"

فارغ غمِ اُمت سے۔ اور اسلام کا دعویٰ   دنیا کو بس اب دین پہ اپنے نہ ہنساؤ

گو دین کی صورت ہے۔ یہ سیرت نہیں اُس کی   یہ دین ہی یا دین کا ہی سانگ۔ بتاؤ؟

مقبول نہ حج ہیں۔ نہ نمازیں ہیں۔ نہ روزے   جب تک غمِ اُمت میں نہ جان اپنی گھلاؤ

دعویٰ نہیں مسموع۔ شہادت نہ ہو جب تک   ہے دین کا دعویٰ۔ تو شہادت کوئی لاؤ

گر اپنے یتیموں کی خبر لے نہیں سکتے   تو دین سے تم قطع تعلق کرو۔ جاؤ

اعضا تو نمازوں میں بہت تم نے دکھائے   دل کو بھی کبھی ہاتھ سے کچھڑے کے دکھاؤ

دُنیا میں جراحت۔ یہی عقبیٰ میں ہے راحت   کل پھل کوئی کھانا ہے تو تخم آج اُٹھاؤ

یہ قوم کے بچے جو پڑے پھرتے ہیں بیکس   یہ پود ہے میری اسے دیکھو۔ نہ گنواؤ

شیریں ہی پھل ان پودوں کا اور سایہ گھن کا   سیوا کرو ان کی۔ انھیں پروان چڑھاؤ

دیکھو نہ حقارت سے پھٹے کپڑوں کو ان کے   اِن گدڑوں میں جو لعل کہ گم ہیں اُنھیں پاؤ

سنولائی ہوئی چہروں میں نور ان کی ہے تاباں   ان کوئلوں کو ہیرے۔ جلا دے کے بناؤ

ہیں ان میں فقیہہ۔ ان میں حکیم ان میں محدث   ان کی بُری حالت پہ۔ بُری گت پہ نہ جاؤ

جو ان میں ہیں جوہر۔ کہیں زنگ اُن کو نہ کھا جائے   گُن دیکھے ہیں ان کے تو زنگ ان کا چھڑاؤ

افواجِ مخالف ہیں تگ و دو میں چپ و راس   رُند جائیں نہ یہ۔ خاک سے جلد ان کو اُٹھاؤ

پھرتے ہیں بہت گھات میں یہاں ان کے شکاری   اِن پنچھیوں کو موت کے چنگل سے بچاؤ

اے یارو یہ بے غیرتی اور دین کا دعویٰ | دین داری کا اور دین کا بس منہ نہ چڑاؤ
اُمت کے یتیموں کو ہو انجیل کی تعلیم | اور اپنی تم اولاد کو قرآن پڑھاؤ
تثلیث کی پاتے ہوئے دیکھو انہیں تلقین | اور اپنے جگر گوشوں کو توحید سکھاؤ
گرجا میں حریف ان کو سکھائیں مری توہین | اور کان نہ تو ہیں یہ تم میری ہلاؤ
جن بچوں کو بیٹوں کی طرح چاہیے رکھنا | ہاتھ آئیں تمہارے تو غلام اُن کو بناؤ
کھانے کی بھی۔ کپڑے کی بھی لیں انکی خبر غیر | اور تم نہ کبھی بھول کے آنکھ اُن سے ملاؤ
اپنا ہیں وہ جان کے گر راہ میں ٹھٹکیں | تم غیروں کی مانند گزر پاس سے جاؤ
اسلامیو بے مہریاں آخر یہ کہاں تک | جو منہ کو تمہارے تکیں آنکھ اُن سے چراؤ
بے کس نہ گنو اُن کو۔ یہ کنبا ہی خدا کا | تم پھیر کے منہ اِن سے۔ خدا کو نہ رُٹھاؤ
عبرت کی جگہ ہے۔ ڈرو گردش سے فلک کی | اولاد کو اپنی نظرِ بد سے بچاؤ
بن باپ کا بنتے ہوئے لگتی نہیں کچھ دیر | غیرت کو بس اللہ کی حرکت میں نہ لاؤ
اُمت میں ہو تم اُس کی جو اُمت پہ فدا تھا | تو تم بھی عزیزو! اُسی اُمت سے لگاؤ
وہ جیسا غریبوں کا۔ یتیموں کا تھا عاشق | تم بھی انہیں آنکھوں پہ اسی طرح بٹھاؤ
جو خلق تھا ہر بے کس و ناچار سے اُس کا | اخلاق میں کچھ اُس کی جھلک تم بھی دکھاؤ
کڑھتا تھا وہ جس طرح مصیبت پہ ہر اک کی | جی تم بھی مصیبت پہ یونہی سب کی کڑھاؤ

ٹوٹے ہوئے دل ہیں یہ گذر گاہ خدا کی
ملنا ہے خدا سے تو اسی راہ سے جاؤ

حالی

۱۱۱-اسلامی انجمن اور عیسائی مشن

قوم کو پروا نہیں ان کی تو سُن اے انجمن
ہے پھر ان لاوارثوں کا ملجا و ماویٰ مشن

پرورش میں اُن کی وہ جانیں کھپاتی ہیں جہاں
اُن کو شفقت سے کھلاتی اور پہناتی ہیں جہاں

عادتیں دیتے ہیں سب اُن کی جہاں سانچے میں ڈھال
جانور سے آدمی اُن کو بناتے ہیں جہاں

رکھتے ہیں ماں باپ سے بڑھکر جہاں اُن کا خیال
لاڈلوں کی طرح ناز اُن کی اُٹھاتی ہیں جہاں

کرتے ہیں لائق انھیں دنیا میں رہنے کے لئے
صنعت و علم و ہنر اُن کو سکھاتی ہیں جہاں

مینہ برستا ہے جہاں دولت کا اُن کے واسطے
رات دن امداد کے پیغام آتے ہیں جہاں

شیر خواروں کو جہاں رکھتے ہیں ماؤں کیطرح
نرم نرم اُن کو بچھونوں پر سُلاتی ہیں جہاں

اُن کی خدمت کے لیے۔ اُن کی حفاظت کے لئے
مانیاں۔ انائیں۔ ماماَئیں بلاتی ہیں جہاں

اُن کو جھولوں میں جھُلاتی ہیں جہاں شام و سحر
مثل فرزندوں کے اُن کو رکھ رکھاتی ہیں جہاں

ذم میں پرورش نہیں اُنکی تو وہاں پہنچیں گے وہ — پُتلیوں پر اُن کو آنکھوں کی بٹھاتے ہیں جہاں

ب کہو حقدار اُن کا ہے مشن یا انجمن — سال بھر میں تین دن سے دیکھے آتے ہیں جہاں

جب کہ آ آ کر انجمن کی سُنتے ہیں روداد ہم
پھر کبھی کرتے نہیں بھُولے سے اُس کو یاد ہم

حالی

۱۱۲ سیتا جی کی منّت وزاری

(رامچندر جی کے بن باس کے وقت)

ہمراہ اپنے بن کو مجھے ساتھ لے چلو — دُکھیا تمھارے چرنوں کی ہوں ساتھ لے چلو

نازک ہے میرا شیشۂ دل ٹوٹ جائیگا — چھوٹا تمھارا ساتھ تو جی چھوٹ جائے گا

مجھ سے شبِ فراق میں تڑپا نہ جائیگا — روزِ سیاہ ہجر کا دیکھا نہ جائے گا

گھر میں جو چھوڑ جاؤ گے سیتا غریب کو
پاؤ گے بن سے آکے نہ جیتا غریب کو

مانا کہ دشت میں غم و آرام ہیں بہت — بن باسیوں کو دُکھ سحر و شام ہیں بہت

ر اب مجھے چمن ہے رفاقت میں آپ کی — دنیا کے سارے عیش ہیں خدمت میں آپ کی

سوامی جو تم ہو ساتھ تو کیا الم کدہ　　خس پوش جھونپڑا مجھے ہوگا صنم کدہ
صورت تمہاری دیکھ کے غم بھول جاؤں گی
صحرا کے سارے رنج و الم بھول جاؤں گی

جلد ۳

سرور۔ جہاں آبادی

۱۱۳- رامچندر جی ماں سے رخصت ہوتے ہیں

دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ خوش خصال　　خاموش ماں کے پاس گیا صورت خیال
دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال　　سکتہ سا ہو گیا ہے یہ ہے شدت ملال
تن میں لہو کا نام نہیں زرد رنگ ہے
گویا بشر نہیں کوئی تصویر سنگ ہے

کیا جانے کس خیال میں گم تھی وہ بے گناہ　　نور نظر پہ دیدۂ حسرت سے کی نگاہ
جنبش ہوئی لبوں کو بھری ایک سرد آہ　　لی گوشہ ہائے چشم سے اشکوں نے رخ کی راہ
چہرے کا رنگ حالت دل کھولنے لگا
ہر موئے تن زبان کی طرح بولنے لگا

رو کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں　　میں جانتی ہوں جس لیے آئے ہو میری جاں

جلد ۳

سب کی خوشی یہی ہے تو صحرا کو ہو رواں — لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہونگی ہاں

کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیجدوں

جوگی بنا کے راج دُلارے کو بھیجدوں

لیتی کسی فقیر کے گھر میں اگر جنم — ہوتے نہ میری جاں کو سامان یہ بہم

ڈستا نہ سانپ بنکے مجھے شوکت و حشم — تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سے کم

میں خوش ہوں پھونکدے کوئی اس تخت و تاج کو

تم ہی نہیں تو آگ لگاؤں کی راج کو

سرزد ہوئے تھے مجھ سے خدا جانے کیا گناہ — منجدھار میں جو یوں مری کشتی ہوئی تباہ

آتی نظر نہیں کوئی امن و اماں کی راہ — اب یاں سے کوچ ہو تو عدم میں ملے پناہ

تقصیر میری خالقِ عالم بحل کرے

آسان مجھ غریب کی مشکل اجل کرے

سُن کر زباں سے ماں کی یہ فریاد درد خیز — اس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز

عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز — لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز

سوچا یہی کہ جان سے بیکس گزر نہ جائے

ناشاد ہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے

پھر عرض کی یہ مادرِ ناشاد کے حضور مایوس کیوں ہیں آپ الم کا ہی کیوں وفور
جلد۳ صدمہ یہ شاق عالمِ پیری میں ہی ضرور لیکن نہ دل سے کیجیے صبر و قرار دور
شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

یہ جعل یہ فریب یہ سازش یہ شور و شر ہوتا جو ہے سب اسکے بہانے ہیں سر بسر
اسباب ظاہری ہیں نہ ان پر کرو نظر کیا جانے کیا ہی پردۂ قدرت میں جلوہ گر
خاص اس کی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں
منظور کیا اُسے ہے کوئی جانتا نہیں

راحت ہو یا کہ رنج خوشی ہو کہ انتشار واجب ہر ایک رنگ میں ہی شکر کردگار
تم ہی نہیں ہو کشتۂ نیرنگِ روزگار ماتم کدہ میں دہر کے لاکھوں ہیں سوگوار
سختی سہی نہیں کہ اُٹھائی کڑی نہیں
دُنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں

پڑتا ہی جس غریب پہ رنج و محن کا بار کرتا ہے اس کو صبر عطا آپ کردگار
مایوس ہو کے ہوتے ہیں انسان گناہ گار یہ جانتے نہیں وہ ہی دانائے روزگار

انساں اسکی راہ میں ثابت قدم رہے
گردن وہی ہے امرِ رضا میں جو خم رہے

اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام بعدِ سفر وطن میں ہم آئیں گے شادکام
ہوتے ہیں بات کرتے میں چودہ برس تمام قائم امید ہی سے ہے دنیا ہے جس کا نام

اور یوں کہیں بھی رنج و بلا سے مفر نہیں
کیا ہوگا دو گھڑی میں کسی کو خبر نہیں

اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغباں ہے دن کی دھوپ رات کی شبنم انہیں گراں
لیکن جو رنگِ باغ بدلتا ہے ناگہاں وہ گل ہزار پردوں میں جاتے ہیں رائیگاں

رکھتے ہیں جو عزیز انھیں اپنی جاں کی طرح
ملتے ہیں دست یاس وہ برگِ خزاں کی طرح

لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرا میں بے شمار موقوف کچھ ریاض پہ ان کی نہیں بہار
دیکھو یہ قدرتِ چمن آرائے روزگار وہ ابر و برف و باد میں رہتے ہیں برقرار

ہوتا ہے ان پہ فضل جو ربِ کریم کا
موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا

اپنی نگاہ ہے کرمِ کارساز پر صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر

جنگل ہو یا پہاڑ، سفر ہو کہ ہو حضر رہتا نہیں وہ حال سی بندے کے بیخبر

اس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
دامانِ دشت دامنِ مادر سے کم نہیں

چکبست

۱۱۴ جشنِ چراغان

ہے آج جشنِ چراغاں کہ رام آتے ہیں ہوئے ہیں نور کے ساماں کہ رام آتے ہیں
دیئے جلائے ہیں گھی کے تمام بھارت نے ہر ایک گھر میں ہیں خوشیاں کہ رام آتے ہیں
بھرت خوشی سے زمیں پہ قدم نہیں دھرتا ہی بال شوقِ پہ پرّاں کہ رام آتے ہیں
ہیں باغ باغ کوشلیا، سومترا دونوں ہے شامِ وصلِ عزیزاں کہ رام آتے ہیں
کہا بہشت میں جسرتھ نے مرکے ہی نکلا ہمارے دل کا یہ ارماں کہ رام آتے ہیں

چلے ہیں گھر کو سیا، رام، لکشمن تینوں
ہزار شکر کہ ہیں عازمِ وطن تینوں!

محروم

جلد ۳

۱۱۵ - پدمنی

ندلیبوں کو ملی آہ و بکا کی تعلیم   اور پروانوں کو دی سوز و فا کی تعلیم
ب ہر اک چیز کو قدرت نے عطا کی تعلیم   آئی حصّے میں ترے ذوقِ فنا کی تعلیم

نرم و نازک تجھے اعضا دیئے جلنے کے لئے
دل دیا آگ کے شعلوں پہ پگھلنے کے لئے

ک تصویر کے پردہ میں جو چمکا تیرا   خود بخود لوٹ گیا جلوۂ رعنا تیرا
ال کر کالبدِ نور میں پُتلا تیرا   یدِ قدرت نے بنایا جو سراپا تیرا

بھر دیا کوٹ کے سوزِ غمِ شوہر دل میں
رکھ دیا جبر کے اِک شعلۂ مضطر دل میں

دہ تھی شمع کہ پروانہ بنایا تجھ کو   تو وہ لیلیٰ تھی کہ دیوانہ بنایا تجھ کو
زنِ خلوت شاہانہ بنایا تجھ کو   نازشِ ہمّتِ مردانہ بنایا تجھ کو

ناز آیا ترے حصے میں۔ ادا بھی آئی
جاں فروشی بھی۔ محبّت بھی وفا بھی آئی

نا دُنیا میں جو تو حُسن میں یکتا بن کر   چمنِ دہر میں پھولی گلِ رعنا بن کر

رہی ماں باپ کی آنکھوں کا جو تارا بن کر — دلِ شوہر میں رہی خالِ سویدا بن کر

جلد۳

حُسنِ خدمت سے شگفتہ دلِ شوہر رکھا
کہ قدم جادۂ طاعت سے نہ باہر رکھا

تیری فطرت میں مروّت بھی تھی غمخواری بھی — تیری صورت میں ادا بھی تھی طرحداری بھی
جلوۂ حُسن میں شامل تھی نکوکاری بھی — درد آیا ترے حصّے میں تو خودداری بھی

آگ پر بھی نہ تجھے آہ! مچلتے دیکھا
تپشِ حُسن کو پہلو نہ بدلتے دیکھا

تو وہ عصمت کی تھی اک آئینہ سیما تصویر — حُسنِ سیرت سے تھی تیری متجلّا تصویر
لاکھ تصویروں سے تھی اک تری زیبا تصویر — تجھ کو قدرت نے بنایا تھا سراپا تصویر

نور ہی نور ترے جلوۂ مستور میں تھا
انجمِ ناز کا جھرمٹ رُخِ پُر نور میں تھا

لب میں اعجاز، حیا چشمِ فسوں ساز میں تھی — کہ قیامت کی ادا تیرے ہر انداز میں تھی
شکل پھرتی جو تری دیدۂ غمّاز میں تھی — برق بیتاب تری جلوہ گہِ ناز میں تھی

یہ وہ بجلی تھی قیامت کی تڑپ تھی جس میں
شعلۂ نارِ عقوبت کی تڑپ تھی جس میں

یہ وہ بجلی تھی جو تیغِ شرر افشاں ہو کر کوندا اٹھی قلعہ چتوڑ میں جولاں ہو کر

یہ وہ بجلی تھی جو سوزِ غم حرماں ہو کر خاک سے لوٹ گئی تیری پشیماں ہو کر

یہ وہ بجلی تھی تجھے جس کے اثر نے پھونکا
رفتہ رفتہ تپش سوزِ جگر نے پھونکا

آہ! او عشوہ انداز و ادا کی دیوی آہ! او ہند کے ناموس وفا کی دیوی
آہ! او پرتوِ انوارِ صفا کی دیوی اور زیارت کدہ شرم و حیا کی دیوی

تیری تقدیس کا قائل ہے زمانہ اب تک
تیری عفت کا زباں پہ ہے فسانہ اب تک

آفریں ہے تری جاں بازی ہمت کے لیے آفریں ہے تری عفت۔ تری عصمت کے لیے
کیا مٹائے گا زمانہ تری شہرت کے لیے کہ چلی آتی ہے اک خلق زیارت کے لیے

نقش اب تک تری عظمت کا ہے بیٹھا دل میں
تو وہ دیوی ہے ترا لگتا ہے میلا دل میں

سرور جہاں آبادی

جلد ۳

۱۱۶- گورو کل

فرشتوں سے پاکیزہ صورت ہیں دونوں سراپا شبیہ مسرّت ہیں دونوں
بہت مطمئن ہیں تبسّم کناں ہیں غضب کی نگاہوں میں معصومیاں ہیں
الٰہی یہ بچّے ہیں دونوں کہاں کے؟ کہ معلوم ہوتے نہیں اس جہاں کے
یہ شکلیں تو ہیں سر بسر آسمانی کہ ہوتے نہیں ایسے انسانِ فانی
مسرّت کے آثار- چہروں سے پیدا جبیں سے تقدس کی صورت ہویدا
کوئی کب کہے گا بشر زاد ہیں یہ کسی دیوتا ہی کی اولاد ہیں یہ!

کوئی ان کو دُنیائے دوں سے بچالے
گورو کل کی گودی میں لیجا کے ڈالے

گورو کل وہ جگ سے نرالا گورو کل وہ دُنیا کے طبقوں سے بالا گورو کل
اُمیدِ وطن کا سہارا گورو کل وہ بھارت کی آنکھوں کا تارا گورو کل
گورو کل جو بستا ہے گنگا کنارے بہت پُر فضا ہیں جہاں کے نظارے
جہاں تازہ ہیں رُوح اور جسم ہر دم کہ بالکل ہے آغازِ عالم کا عالم
گورو کل جہاں راج تقدیس کا ہے جہاں صاف پانی ہے ستھری ہوا ہے

جہاں محو توحید چھوٹے بڑے ہیں ترانے جہاں وید کے گونجتے ہیں

نہ کیوں بولی جائے وہاں دیوبانی
کہ خود دیوتا ہے گوروکل کا بانی

محروم

۱۱۷ - سپاسنامہ اردو

بحضور پر نور اعلیٰحضرت خسروِ دکن بانیِ جامعہ عثمانیہ خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ

ہیں شانہ سے درگزری آئینہ سے بازآئی اب دل ہی نہیں جس میں ہو ذوقِ خود آرائی

ہر چند کہ صورت میں ہوں نور کی مورت میں ناظر نہ ہو جب کوئی۔ کس کام کی رعنائی

ایک چاند ہوں بدلی میں۔ ایک لعل ہوں گدڑی میں اک حسن ہوں دیہاتی۔ اک پھول ہوں صحرائی

مشاطہ اگر کرتی۔ آراستگی و تزئین ہر اہلِ خرد ہوتا اس زلف کا سودائی

ہوں بزم حریفاں میں جوں آئینہ حیراں میں
باایں ہمہ زیبائی۔ باایں ہمہ رعنائی

اس دھن میں کہ ہاتھ آئے دامن کسی کامل کا اس دھن میں کہ ہو جائے شاید کہیں شنوائی

ہر منہ میں زباں ہو کر میں چلتی رہی برسوں کل ہند کی وسعت میں۔ کی بادیہ پیمائی

پر اہل زباں میرا اس طرح تھی منہ تکتے دی ہی نہیں خالق نے گویا انھیں گویائی

جلد ۳ گر ہو بھی گیا مائل پر دیس ہیں کوئی دل گھر والوں کی نخوت نے کی حوصلہ فرسائی

دِلّی کی یہ نمکینی۔ یہ لکھنوی شیرینی

تھیں وقت سخن چینی۔ کیا ذکرِ دل افزائی

آخر درِ محسن تک قسمت مجھے لے آئی ہاں تجھکو بشارت ہو اے ذوقِ جبیں سائی

جو شمس و قمر روشن ہے اسمِ شریف اس کا ہے نام خدا جس میں "نورین" کی یکجائی

ہے آج بصد زینت ہر کان کا آویزہ عثمان علی خاں کا آوازہ یکتائی

عثمان کی "حیا" نے کی۔ آکر مری غمخواری دیکھی نہ گئی اس سے یہ ذلّت و رسوائی

کی بن کے "غنی" آخر شاہانہ ادا ظاہر

اک جامعہ کی یعنی تاسیس ہے فرمائی

جاں از سرِ نو بخشی۔ میرے تنِ مُردہ میں پھر زندہ کیا اس نے اعجازِ مسیحائی

قاصد ہوں اک اُردو کی۔ اے شاہ نہیں مجھکو

دعوائے زباں دانی۔ مشقِ سخن آرائی

م۔ مخ۔ ش

تمت

نلّا

معارفِ ملت

جلد سوم

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا - ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں، اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعث شکرگزاری ہو گا۔

۱- آزاد مولوی محمد حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۱ء وطن دلّی وفات ۱۹۱۰ء مدفن لاہور

ضمیمہ جلد۳ — صفحہ

۲-اسمٰعیل مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۴ء وطن میرٹھ وفات ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ

۳-اقبال ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب

ولادت ۱۸۷۶ء وطن سیال کوٹ

۴-اکبر سیّد اکبر حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۶ء وطن الہ آباد وفات ۱۹۲۱ء مدفن الہ آباد

ضمیمہ جلد ۳

۵- ترمذی سیّد سراج الحسن صاحب

ولادت وطن الہ آباد

۶- چکبست منشی برج نراین صاحب

ولادت ۱۸۸۲ء وطن لکھنؤ

۷- حالی خواجہ الطاف حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۷ء وطن پانی پت وفات ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت

صفحہ

ضمیمہ جلد ۲

ضمیمہ جلد ۳

صفحہ

صفحہ ضمیمہ جلد ۳

سلسلۂ دعوتِ صدق

اسرارِ حق

مؤلفہ

محمد الیاس برنی ایم اے ایل ایل بی (علیگ) حیدرآباد دکن

آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، ارشاداتِ صدیقین و اکابرِ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان سب کا نہایت جامع اور مربوط انتخاب اور اُن کے مقابل یورپ کے جدید سائنس و فلسفہ کی انتہائی تحقیقات کا لُبِ لباب۔ خود بخود اسلام کی صداقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

جدید سائنس و فلسفہ کا اقرار نارسائی اور احساس ایمان بالغیب۔ اسلام میں علم باطن، توحید اور اس کے مقامات، احدیت کی رفعت اور عبدیت کی نزاکت، نبوت اور ولایت کے مراتب، کشف و کرامات کی ماہیت اور دیگر معارف متعلقہ ایک ہی نظر میں اسلام کی روحانی تعلیم کا عجب نظام دل نشین ہوتا ہے، اور کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝

جن علوم کو اللہ جل شانہٗ صدق اور جن کے عالموں کو صادقین و صدیقین سے تعبیر فرماتا ہے اور جو اسلامی ادب میں بالعموم تصوف اور صوفی کہلاتے ہیں ان کی تحقیق اور تصدیق میں بعض لحاظ سے یہ اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے قابل دید حجم تقریباً ۴۰۰ صفحہ جلد پاکیزہ قیمت صرف تین روپیہ (سے ر) علاوہ محصول۔

معاشیات

(۱) **علم المعیشت۔** اکنامکس (Economics) پر اُردو میں یہ سب سے پہلی نہایت مستند اور جامع کتاب ہی۔ مشکل سے مشکل معاشی اُصول و مسائل کو ایسے سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف مضامین بخوبی ذہن نشین ہو جاتے ہیں بلکہ خاصی تفریح حاصل ہوتی ہی۔ خوبی مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصّہ میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہی لطف یہ کہ یونیورسیٹوں میں اکنامکس کے متعلّم بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کو چھوڑ کر اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ڈاکٹر سر محمدؐ اقبال (جو خود بھی معاشیات کے بڑے عالم ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی کتاب علم المعیشت اُردو زبان پر ایک احسان عظیم ہے۔ اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامّل نہیں ہی کہ اکنامکس پر اُردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہی اور ہر لحاظ سے مکمل"۔ ضخامت تقریباً ۹۰۰ صفحہ خوشنما جلد۔ بسلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو دوسرا ایڈیشن بنظر ثانی شائع ہوا ہی قیمت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۵ر

(۲) **معیشت الہند۔** ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی

اصلاح و ترقی کے واسطے از حد ضروری ہی کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں یہ بھی اُردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہی۔ علم المعیشت میں معاشیات کے جو اُصول و مسائل بیان ہوئے ہیں اس کتاب کے ذریعہ سے ان کا ہندوستان میں عمل ورآمد دکھایا گیا ہی۔ یہ دونوں کتابیں جامعہ عثمانیہ کی بی اے کلاس کے نصاب میں داخل ہیں۔ ضخامت تخمیناً ۹۰۰ صفحہ خوشنما جلد۔ منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہو رہی ہی۔

(۳) **مالیات** - پبلک فنانس (Public finance) پر اُردو زبان میں سب سے پہلی مستند اور جامع کتاب ہی مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں کے ہاں آمدنی کے کیا کیا ذرائع اور خرچ کی کیا کیا مدیں ہیں اور محاصل و مصارف کا انتظام کس نہج پر قایم ہی۔ سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور اُن کا کیوں کر عمل درآمد ہوتا ہی یہ تمام دقیق اور اہم مباحث نہایت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں پیش کئے ہیں۔ ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ از حد ضروری ہی۔ ضخامت تخمیناً ۸۰۰ صفحہ خوشنما جلد (زیر تالیف)

(۴) **مقدمات المعاشیات** - مورلینڈ صاحب کی انگریزی کتاب انٹروڈکشن ٹو اکنامکس (Introduction to Economics) کا سلیس

اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں معاشیات کے ابتدائی اُصول و مسائل بیان کئے گئے ہیں یہ کتاب جامعہ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۵۰۴ صفحہ۔ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے۔

(۵) **معاشیات ہند**۔ مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی کی انگریزی کتاب انڈین اکنامکس (Indian Economics) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کئے گئے ہیں یہ کتاب جامعہ عثمانیہ کی ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۴۰۰ صفحہ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے۔

(۶) **برطانوی حکومت ہند**۔ انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا (British Administration in India) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومت ہند کا طریق بیان کیا گیا ہے یہ کتاب بھی جامعہ عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہے۔ ضخامت تقریباً ۵۰۶ صفحہ مجلد منجانب جامعہ عثمانیہ شائع ہوئی ہے۔

ملنے کا پتہ: محمد مقتدیٰ خاں شروانی علی گڑھ

Professor Elyas Burny's
Other Urdu Works

1. **Ilmul-Maeeshat**—On Principles of Economics—over 800 pp.

2. **Maeeshat-ul-Hind**—On Indian Economics—about 800 pp. (in press)

3. **Malyat**—On Public Finance—about 500 pp. (under preparation)

4. **Mukaddamat-ul-Maashiyat**—Translation of Moreland's Introduction to Economics.

5. **Hindustani Maashiyat**—Translation of Banerjee's Indian Economics.

6. **Bartanvi Hukoomat-i-Hind**— Translation of Anderson's British Administration in India.

7. **Asrar-e-Haq**—On Spiritualism in Islam—400 pp.

Volume III. ... Collection of poems describing the objects of Nature, such as Fruits and Flowers, Worms and Insects, Bees and Butterflies, favourite Birds and Quadrupeds.

Volume IV. ... Collection of poems describing the various importan and interesting phases c Indian life, such as popular Customs and Ceremonies, Functions and Festivals, Games and Sports, Fashions and Etiquettes, and various shades of Domestic life. Also the ancient mode of Warfare.

It will be seen that the Series, in its variety and scope, is really a panorama of Indian life and culture, depicting genuine feelings and emotions, discussing communal problems, as well as social and moral notions, describing every day life and its relation to the objects and events of Nature. This will enable the reader to survey the extent and gauge the depth of Urdu Poetry.

MOHAMED ELYAS BURNY,
OSMANIA UNIVERSITY, HYDERABAD (DECCAN).

December, 1924.

Volume II. ... Selections from the works of the eminent poet, Mirza Ghalib, his noteworthy contemporaries, Zauq and Zafar and his true follower Hasrat Mauhani.

Volume III. ... Selections from the works of some thirty old notable poets.

Volume IV. ... Selections from the works of some sixty modern popular poets.

Set III.

MANAZIR-E-QUDRAT (The Scenes and Sights of Nature).

Volume I. ... Collection of poems reflecting the various manifestations of Time, such as Dawn, Sunrise, Sunshine, Sunset, Night, Moonlight, Rainy-season, Winter, Summer and Spring.

Volume II. ... Collection of poems reflecting the scenes and sights of Space, such as Earth and Sky, Plains and Mountains, Rivers and Forests, Fields and Gardens, Cities and famous Buildings.

their final cast in 1924, and it is possible that some additional Volumes may still follow in the future.

The Series is divided into three Sets, and covers twelve volumes as follows :—

Set I.

MAARIF-E-MILLAT (Problems of Community)

Volume I. ... Collection of poems in praise of God and the Prophet and others imbued with the spirit of religious devotion : A Prayer Book.

Volume II. ... Collection of poems depicting the past, present and future of Islam and the Musalmans. The tragedy of Karbala, as told here, is extremely impressive.

Volume III.... Collection of poems dealing with the various phases and prospects of Nationalism in India.

Volume IV.... Collection of peoms dealing with the various problems of Ethics and Morals.

Set II.

JAZBAT-E-FITRAT (Natural Feelings and Emotions).

Volume I. ... Selections from the works of the two old and premier poets Mir and Sauda.

SELECTED URDU POEMS SERIES

This is, perhaps, the first attempt in Urdu alone, to edit a comprehensive anthology on the advanced system of the comparative study of cognate poems. The Collection already includes more than twelve hundred poems selected from the works of nearly two hundred poets—old and new—bearing upon a large variety of important and interesting subjects and arranged according to the affinity of their subject-matter. The Series thus offers, in a convenient form what may be called the cream of Urdu Poetry, while by the special arrangement of the pieces selected it provides ample scope for the growth and development of critical instinct which is the soul of higher literary education. It is hoped that the Series will satisfy not only the long felt want of a popular anthology for the Urdu reading public, but will also meet the demand for systematic Urdu Poetry-books in Schools and Colleges all over the country.

The Series was started in 1919 when the first three Volumes of the Ma'arif, Manazir, and Jazbat were published, and received such an active support, far and near, that it rapidly extended to no less than twelve Volumes within the next four years. A Revised and Enlarged edition of these Volumes has been publised in

Maarif-e-Millat

VOL III

Selected Urdu Poems Series

Maarif-e-Millat

Edited by

MOHAMED ELYAS BURNY
M. A., LL. B. (ALIG.)
Osmania University
Hyderabad (Deccan)

VOL. III

3rd Edition Price Re 1

ओ३म्

पुस्तक संख्या

पञ्जिका-संख्या.... ...

पुस्तक पर सर्व प्रकार की निशानियां लगाना वर्जित है। कोई सज्जन पन्द्रह दिन से अधिक देर तक पुस्तक अपने पास नहीं रख सकते अधिक देर तक रखने के लिये पुनः आज्ञा प्राप्त करनी चाहिये।